# دُکھی وطندار

وی۔ کے ریڈی



# دکھی وطندار




وی. کے. ریڈی

SALES DEPOT.

[illegible] Publications & Book Sellers Ltd.

JAMBAGH, HYDERABAD-DN.

# فہرست مضامین

# معنون

**وہ،** جو جابر عہدہ داروں کی بیجا سختی سہتے ہیں مگر آہ کرنے کا بھی حق نہیں رکھتے۔

**جنکی،** بددیانتی یہ ہے کہ وہ بدطینت لوگوں کا ساتھ نہیں دیتے

**جنکی،** نام نہاد ظلم پرستی و لوٹ اس میں مضمر ہے کہ انکی آڑ میں اوروں کو لوٹ اور ظلم کا موقع مل رہا ہے۔

**اور جو،** اقل ترین معاوضوں پر دولت آصفیہ کی عظیم ترین ذمہ داری کے حامل ہیں۔

ان کے نام پر یہ ننھا سا دکھ مالا

**معنون**

کرتا ہوں

وی۔ کے۔ ریڈی

# گذارشات

کتاب جیسی بھی ہے قارئین کرام کے پیش نظر ہے۔ اس کا مقصد صرف صحیح واقعات کو پیش کر کے سنجیدہ پبلک سے انصاف چاہنا ہے! اس میں کا اگر کوئی جز کسی کو تلخ معلوم ہو تو ہمیں اس باب میں مجبور سمجھیں چونکہ حقائق اکثر تلخ ہوا کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کی موقتی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے ہم ان حقائق سے پہلو تہی کرنے سے قاصر تھے۔

میرے اس کام میں دو ایک احباب نے ہاتھ بٹایا۔ میرے دوست بھوج راج صاحب نے مسودہ کو شروع سے آخر تک دیکھا۔ اور میرے عزیز مسٹر ویلدرتی مانک راؤ جی نے نہ صرف پروفس دیکھا بلکہ اشاعت کتاب کا سارا بار بھی اپنے سر لیا جس کے لئے میں ان ہر دو احباب کا بیحد مشکور ہوں۔

ہمارے بزرگ عالیجناب کنڈہ وینکٹ رنگا ریڈی صاحب وکیل ہائیکورٹ معتمد انجمن رعایا، جاگیرات اور سابق صدر آندھرا کانفرنس و رکن مجلس وضع قوانین ملک سرکار عالی نے ہماری استدعا پر از راہ عنایت کتاب کیلئے پیش لفظ سپرد قلم کر کے اپنی بزرگی کا حق ادا کر دیا۔ ایسی ہستیوں کے چرنوں میں ہدیہ تشکر سے کہیں زیادہ عقیدت کے پھول زیب دیتے ہیں جو خلوص کے ساتھ ارپن کئے جاتے ہیں۔

مصنف

# پیش لفظ

ان دنوں اکثر اخبار کے کالم وطنداروں کے حقوق موروثی و تبادلے کے تائیدی و تردیدی مضامین سے بھر پائے جاتے ہیں جسکے باعث دکھی وطنداروں کا دکھ تازہ ہوتا رہتا ہے مسٹر ڈی. کے. ریڈی نے بحیثیت وطندار کے دکھوں کو ظاہر کرنے کیلئے یہ کتاب لکھی ہے جسکے مضامین مختلف حصوں میں منقسم ہیں بجز آخری حصہ کے جملہ حصوں میں وطندار کے دکھوں کا ذکر ہے آخری حصہ میں رفع دکھ کے تدابیر درج ہیں۔ اسکے ساتھ ایک ضمیمہ میں مختصر احکام سربراہی وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔

اس چھوٹی سی کتاب میں وطندار کے دکھوں کو اصلی شکل میں مگر شاعرانہ انداز میں ظاہر کرنیکی قابلیت سے کوشش کیگئی ہے۔ صحیح واقعات کے ظاہر کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کیگئی۔ زبان سلیس اور عبارت میں روانی ہے اور مضامین معلومات سے پر ہیں۔ البتہ ضمیمہ میں جن احکام کا حوالہ ہے وہ مکمل نہیں ہیں۔ اس خصوص میں احکام اسکے علاوہ بھی ہیں۔ اس مختصر کتاب کے پڑھنے سے ہر شخص وطنداروں کے دکھوں سے کافی واقفیت حاصل کر سکتا ہے مسٹر ڈی. کے. ریڈی کی یہ پہلی تصنیف ہے اور انکا طالبعلمی کا زمانہ ہنوز ختم نہیں ہوا۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ تصنیف آئندہ ریڈی صاحب کے ہمدرد عوام ہند اردو کی دنیا میں اعلیٰ و بلند پایہ شاعر ہونے کا ایک پیش خیمہ ہے۔

سری سدن فیلخانہ حیدرآباد
۲۰ مرداد سنہ ۱۳۵۰ف

کے. وینکٹ رنگا ریڈی
وکیل ہائیکورٹ

# دیباچہ

اسے مغرب کی اندھی دھند تقلید کہئے یا زمانہ کی رفتار ہماری سلطنت ہند کے طول و عرض میں بھی انجمنیں حشرات الارض کی طرح پھیل گئی ہیں۔ یہ انجمن سازی اور تحریک بازی صحیح اصولوں پر ہوتی تو کچھ بُرا نہ تھا لیکن افسوس کہ بعض فرقہ پرست حضرات ان انجمنوں کو اپنی خود غرضی اور فرقہ واریت کا آلہ کار بنا کر نہ صرف ملک کے امن و امان میں خلل انداز ہوتے ہیں بلکہ ایک عجیب و غریب ہیجان و بے چینی کے باعث بنتے ہیں۔ دراصل ان انجمنوں کی حقیقت یہ ہے کہ دو چار احباب خوش گپیوں کیلئے یا اپنے خود غرضیوں کو بر سر کار لانے کیلئے کسی جگہ جمع ہوتے ہیں۔ چائے کے دور اور سگریٹ کی کشوں کی کیف میں ان احباب کی ٹولی خوبصورت نام کیساتھ انجمن یا کانفرنس میں تبدیل ہوتی ہے انہیں میں سے کوئی صدر، کوئی نائب صدر، اور کوئی معتمد بن جاتا ہے۔ دو چار بے روزگار اور طالب علم اور مل گئے تو ممبر بنا لئے گئے بس اب اس نام نہاد انجمن کے عہدہ داروں کو اپنا نام اخباروں میں دیکھنے اور خود ساختہ لیڈر بننے کا شوق ستاتا ہے۔ اسکے لئے وہ اپنی آرام کرسیوں پر بیٹھے بیٹھے یا تو ظلم و ستم کی کوئی خیالی کہانی تراش لیتے ہیں یا ذاتی مفاد یا فرقہ واری رجحانات کے تحت اصلاحی ڈھونگ رچا کر کوئی نہ کوئی من گھڑت تحریک بلا سوچے سمجھے پاس کر لیتے ہیں اور یہ اخباری نمائندوں کے سپرد کر دی جاتی ہے۔ پس پھر آنکھیں بند کر کے بلا غور

کئی کے اس سے نہ صرف اپنے کالم سیاہ کرتا ہے بلکہ دوسرے ہی روز ایڈیٹوریل
بھی لکھ مارتا ہے۔ اسطرح غلط اور گمراہ کن تحریکوں کی لپیٹ میں آکر سیدھے
سادے بے زبان لوگ بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔
چنانچہ کچھ دنوں سے مقامی اخباروں میں پٹیل پٹواریوں کے خیالی ظلم و
ستم انکے تباد لے اور توریثی بیدخلی کی بابت نئی تحریکیں پیش ہو رہی ہیں ہمیں نہایت
ملال ہوتا ہے کہ ان بیچاروں کے خلاف ایک منظم سازش جاری ہے کسی انجمن سے انکے
خلاف رزولیوشن پاس کروایا جاتا ہے تو کسی اخبار سے ایڈیٹوریل لکھوایا جاتا ہے۔
اور اپنی سازش کی پیشرفت میں کہیں سے ایک آدھ بے بنیاد شکایات کی
درخواست دلواکر اخباروں میں شائع کروائی جاتی ہے غرض اسطرح انہیں
حکومت کی نظروں میں ظالم خونخوار اور ڈاکو ٹھیرا کر تبادلہ اور توریثی بیدخلی
کی ضرورت محسوس کرائی جاتی ہے چونکہ ملک میں انکی نہ کوئی آواز ہے نہ اتنی تعداد ہے۔
کہ ان اخباری بیانوں کی تردید کر سکیں اور ان فرقہ وار لوگوں کے حرکات کے
خلاف صدائے احتجاج بلند کریں بس انکے اس سکوت اور بیچارگی سے فائدہ
اٹھا کر من گھڑت الزام انکے سر تھوپ دئے جا رہے ہیں۔ اور گوناگوں
تحریکیں پاس کی جا رہی ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں دو ایک فرقہ واری اداروں
نے اس قبیل میں تحریکیں پاس کرکے نہ صرف حکومت کی توجہ اس طرف
منعطف کرانے کی کوشش کی ہے بلکہ عوام کو مقدمین دیہی سے بدظن

کرانے کا ناپاک اقدام بھی کیا ہے۔

ایسی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں اُسوقت تک دور نہیں ہوسکتیں جبتک کہ عوام کے سامنے اس تصویر کا دوسرا رُخ پیش نہ کیا جائے۔ اسی ضرورت کے مدنظر اس چھوٹے سے رسالہ کو ہدیۂ ناظرین کرنے کی عزت حاصل کیجاتی ہے۔ فقط

مورخہ ۲۴ آذر ۱۳۵۰ف

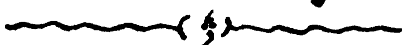
## طبع ثانی

مہینے کے اندر کتابیں چھپیں اور ختم ہوگئیں۔ مگر آرڈرس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اگر ان حقائق کے دلدادوں کی خاطر منظور نہ ہوتی تو اپنے حالات کے تحت ہم اس کتابچہ کو دوبارہ زیور طباعت سے آراستہ نہ کرتے۔ اس اشاعت میں ہم نے احکام سربراہی کے بجائے ضمیمہ میں اُن چند اعتراضات کا جواب شائع کرنا مناسب سمجھا جو مقامی پریس نے کئے تھے۔ فقط

دکنی مسکے ریڈی

مورخہ ۲۵ فروردی ۱۳۵۰ف۔

# یہہ وہ کل کا پودا نہیں جو اکھیڑا جاسکے



شائد اس سے سبھی متفق ہیں کہ وطنداروں کی وطنداری آجکل کی
پیداوار نہیں. کوئی اس کی پیدائش کی تاریخ کے لئے شیر شاہ کے عہد کو
ٹٹولتا ہے تو کوئی بلبن کے دور حکومت کو بعضوں نے تو اس سے کئی قدم آگے
بڑھکر اسے چانکیا کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ اور چندر گپت کے عہد زرّین کے
شاندار کارناموں میں شامل کیا ہے. مگر ہمارا تو یہ خیال ہے یا ہم نے جہانتک
تحقیق کی ہے وطنداری اور وطنداروں کا وجود اسوقت سے ہے جب سے
کہ جنگل کٹے گھر بسے اور گاؤں آباد ہوئے. چنانچہ انکے یہ اوطان ان کی
جان توڑ کوششوں سے صحراؤں کو صاف کرانے، لوگوں کو لابسانے،
اور تالابوں کے بنانے کا صلہ ہیں جو نسلاً بعد نسل چلے آرہے ہیں. غرض ان
اوطانوں کی تہہ میں انکی جانثاری اور ایثار کی تاریخ پنہا ہے. یہ اسی کی
یادگار ہیں. بعض ایسے وطنداروں کے پاس جو خاندانی طور پر محتاط واقع
ہوئے ہیں ابتک ایسے قدیم اسناد موجود ہیں جو معطیہ شاہی ہیں اور

جن میں انکے خدمات حسنہ کا نہ صرف تذکرہ ہے بلکہ نسلاً بعد نسل ان خدمات کو بحال رکھنے کا معاہدہ بھی ہے۔

**حیدرآباد اور وطنداری** ہماری ریاست میں (۲۱۸۴۰) یعنے لگ بھگ ۲۲ ہزار مواضعات ہیں بہ موضع کے تین عہدوں کے حساب سے قریب قریب (۶۶) ہزار دیہی عہدہ دار ہیں۔ جیساکہ قبل ازیں تذکرہ ہوا ہے کہ یہ لوگ مواضعات کے آباد ہونے کی تاریخ سے آجتک اپنے اپنے عہدوں پر خاندانی طور پر یکے بعد دیگرے خدمت کرتے آرہے ہیں۔ اسے خوش قسمتی کہئے یا بد قسمتی تقریباً سب کے سب ہندو رعایا و سرکار عالی سے متعلق ہیں۔ اُنہوں نے ابتداء تا ایندم پوری وفا شعاری، جاں نثاری اور مستعدی سے حکومت وقت کی خدمت کی ہے اور خصوصاً سلطنت آصفیہ سے ان کی غیر متزلزل وفاداری مسلسل دیانت داری اور اٹل عقیدت مندی نے سرکار کے دل میں اچھی جگہ پیدا کرلی۔ حکومت نے بھی ان کی خدمات کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھکر ان میں اور عام ملازمین سرکار میں ذریعہ گشتی محکمہ معتمدی مال نشان (۴۳) بابتہ ۱۲۹۹ھ و نیز گشتی نشان (۱۴) بابتہ ۱۳۱۱ھ ف عمداً تفریق پیدا کردی ہے۔ ان کی بے داغ تاریخ بے لوث خدمات اور سچی خدمت گزاری سے متاثر ہوکر مہربان حکومت نے ان کے ان

حقوق کی توثیق ذریعہ گشتی محکمۂ سرکار (مندرجہ نظائر مال بضمن وراثت ماہ فروردی ۱۳۴۷ف) کی ہے۔ توریث کی یہ عمارت اس قدر قدیم اور قانونی بنیادوں پر قائم ہے کہ محض انجمنوں کی تحریک بازی اور متعصب لیڈروں کی گرج و ارآواز سے ہلا نہ سکے گی۔ بقول کسی کے

**پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!**



# سابقہ وفا شعاری اور حالیہ کارگزاری



کون ہے جو ان کی وفاداری کو نہیں جانتا۔ ان کی دیانتداری اور مستعدی پر کس کو شک ہو سکتا ہے۔ اُنہوں نے اپنے فرائض منصبی کو اسقدر دلدہی اور دلچسپی کے ساتھ انجام دیا کہ شائد ہی کسی دور میں کسی حکومت کو انگشت نمائی کا موقع ملا ہو۔ اس طبقہ نے ہمیشہ ہر حالت میں حکومت وقت کے ساتھ تعاون کیا اور کرتا رہا ہے۔ ورنہ ہم یقین کر سکتے ہیں کہ ان کا لوگوں کے ساتھ قدیم ربط و تعلق اور عوام کی ان کے ساتھ غیر معمولی دلچسپی۔ یہ سب ان کے لئے ایسے مواقع فراہم کر دیتے تھے کہ وہ جو چاہے کر سکتے تھے کسی کا ان کے بارے میں یہ خیال ایک حد تک حقیقت پر مبنی ہے کہ "دیہی عہدہ دار دیہات کے سیاہ و سفید کا مالک ہوتا ہے۔ وہ موضع میں سب کچھ کر سکتا ہے جو وہ کرنا چاہتا ہے۔ موضع کے تمام لوگ محض اس کے اشارہ کے منتظر رہتے ہیں جب اس کو اثر، ہمت اور عوام پر قابو حاصل تھا تو بھلا ایسا شخص چاہتا تو کیا نہیں

کرسکتا۔ مالگزاری خود وصول کرلینا تو اس کے لئے معمولی بات تھی بلکہ دیہات میں اپنی ڈیڑھ اینچ کی مسجد الگ قائم کرسکتا تھا۔ مگر واہ رے وفادار! تو نے اپنی صدہا سال کی تاریخ میں کبھی اپنے دامن کو بے ایمانی کے دھبہ سے آلودہ نہ کیا۔ ان کی پیشانی پر بے وفائی کا ٹیکہ کسی نے نہیں دیکھا۔

زمانہ بدلا، حکومتیں بدلیں۔ حالات پلٹا کھائے۔ معاملات کدھر کے کدھر ہوگئے۔ نظام حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ تمام طبقوں کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی پالیسیوں میں بین فرق آگیا۔ مگر یہی ایک طبقہ پٹیل پٹواریوں کا ایسا ہے کہ جو اپنے رویہ میں رتی برابر بھی فرق نہ آنے دیا۔ اگر کوئی صدہا سالہ سیاسیات اور اس کے اصلی رنگ و روپ کا مطالعہ کرنا چاہے تو اُسے ارسطو، ہابس اور لوک کی کتابوں کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں۔ وہ اس کے لئے دیہات پہونچیں اور اُن وطنداروں کو جا دیکھیں۔ کم معاوضوں اور عظیم ترین ذمہ داریوں کے باوجود اُن کی مستعدی اور دیانت داری میں سرمو فرق نہیں آیا۔ ہر ادنی سے اعلیٰ تک کے اشاروں کو حکم سمجھ کر تعمیل کی۔ آجکل ہم اپنے کانوں سے سنتے ہیں، آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ آج اس دفتر میں غبن ہوا تو کل اس دفتر میں۔ آج اس ملازم سرکار نے تغلب کیا تو کل اُس ملازم سرکار نے لیکن کسی نے یہ بھی

سنا ہے کہ دفاتر دیہی میں بھی اس قسم کا شرمناک واقعہ پیش آیا ہو۔
کیا کبھی ان دیانت داری کے مجسموں کو بھی کسی نے ایسی گندی چیزوں سے
اپنے پاک ہاتھوں کو ناپاک کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ کبھی نہیں۔ صدہا
بلکہ ہزارہا سال کی ان کی قدیم تاریخ میں کہیں بھی ایسا واقعہ پیش نہیں
آیا۔ ان کی ایمانداری کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت چاہیے۔ حالانکہ
ان مقدمان دیہی کے قبضہ میں اسقدر نقد رقوم رہتے ہیں کہ اگر وہ چاہتے
تو ان سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتے تھے لیکن ان کی نظروں میں ان
سرکاری رقوم کی حیثیت مٹی کے ڈھیروں سے زیادہ نہیں۔ وہ اپنی قناعت
پسندانہ شان کے ساتھ اپنا قلیل اور قانونی معاوضہ وضع کر کے مابقی
رقم داخل خزانہ سرکار کر دیتے ہیں۔

اُن کی بدعملی کے نمونے! یہ ہے ان کی دیانت داری اور یہ ہے
ان کی بے لوث زندگی۔ ہمیں افسوس ہے اُن بعض متعصب لوگوں
پر جو ان کے ایثار اور جوانمردیوں کو نظر انداز کر کے انہیں بدعملی
کے مستحق قرار دیتے ہیں۔ حکومت وقت کو ان کی دیانت داری پر پورا
پورا اعتماد ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حالانکہ ان کا تعلق راست
رقومات ہے لیکن ان سے کسی قسم کی ضمانت یا وصولی نہیں لی جاتی۔
برخلاف اس کے ہزاروں ملازم سرکار سے جن کا دور کا بھی تعلق نقد کا

سے ہو ضمانت طلب کیجاتی ہے خواہ گزیٹیڈ عہدہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

حق تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو ہوا کے رُخ چلنا یاد نہیں۔ یہ ساری مصیبتیں خود انہیں کے سادہ لوئی کی وجہ سے ہیں۔ اگر وہ دیگر بددیانت لوگوں کا ساتھ دیتے یا

ع چلو تم ادھر کو جدھر کی ہوا ہے

کے اصول پر ایقان لاتے تو شائد ان پر یہ بہتان نہ آتا افسوس کہ اُن کی دیانت داری اور وفاداری خود انہیں کے لئے قاتل بن کر باعث موت بن رہی ہے۔ مگر یاد رہے وہ مریں گے اور اپنے وجود کو مٹائیں گے لیکن اپنی قدیم وفاداری اور ایمانداری کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔

---

# فرقہ واریت کا بھوت اصلاحی بھیس میں

سنجیدہ دل و دماغ رکھنے والوں کے لئے یہاں جائے فکر ہے کہ مختلف اداروں نے آج تک عہدہ داران دیہی کے خلاف جتنی بھی تحریکیں پاس کی ہیں وہ بالوسطہ یا بلا واسطہ مسلم ادارے ہیں بعض کی فرقہ واریت خود انکے ناموں سے ظاہر ہے مثلاً انجمن اتحاد المسلمین اور انجمن مسلم پٹہ داران وغیرہ۔ ان محرکین میں بعض وہ ہیں جو اپنی فرقہ واریت کو خوبصورت اصلاحی ناموں کی آڑ میں چھپانے کی بیجا کوشش کرتے ہیں۔ مگر ہم ان کمیٹیوں اور انجمنوں سے نہایت ادب کے ساتھ دریافت کرتے ہیں کہ ان میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو ہندوؤں کے مفاد کا خیال رکھتے ہیں۔ (چونکہ پٹیل پٹواری تقریباً سب ہندو ہیں) دو ایک خود غرض ہندو نمایندوں کو اپنے انجمن میں شریک کرنے سے انکی انجمن مشترکہ جماعت ہو جاتی ہے اور نہ وہ ہندو مسلم ہر دو مفادات کی بجا طور پر نمایندگی کرنے کی مستحق سمجھی جاسکتی ہے حکومت جب اس مسئلہ پر غور کرے گی تو کیا اس چیز کو نظر انداز کر سکتی ہے؟ کبھی نہیں۔ جب یہ مسئلہ

پیش ہوگا تو حکومت آندھرا کانفرنس، کرناٹک کانفرنس، مہاراشٹرا کانفرنس جیسے اہم اداروں (جو نوے فیصد حیدرآبادیوں کی نمائندگی کرتے ہیں) کی تحریکوں کو پس پردہ نہیں ڈالے گی۔ گورنمنٹ خوب سمجھتی ہے کہ ان بیچاروں کی مخالفت کن کی جانب سے ہو رہی ہے۔ اور اس کی تہہ میں کونسی ذہنیت کام کر رہی ہے۔

اس طرح یہ واضح ہو جانے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس تحریک کا موجب کوئی خاص شخص نہیں یہ تو وہ فرقہ واریت کا بھوت ہے جیسے ہر وہ شخص جسکے دل میں مادر دکن کی بہبودی پنہاں ہے ہمیشہ تن من دھن سے اسے جلا وطن کرنے پر مستعد رہتا ہے۔

**یہ تحریک فرقہ واری بنیادوں پر مبنی ہے** ہمیں خوب یاد ہے کہ ٹیپل ہیٹواریوں کے خلاف ایک تحریک شاہ آباد سے دو سال قبل انجمن اتحاد المسلمین نے پاس کی تھی۔ اسی صدا کی گونج ہم آج مختلف انجمنوں کی قراردادوں میں سن رہے ہیں۔ نام خواہ کتنا ہی خوش کن اور خوبصورت کیوں نہ ہو ہم اس قسم کی ساری انجمنوں کو فرقہ وار قرار دیں گے۔ جہاں یہ فرقہ واری انجمنوں کی ہر آواز پر لبیک کہا جاتا ہو اور جن کی تحریکوں سے جذبات منافرت بھڑک اٹھتے ہوں ہم اس تحریک کے محرکوں اور موئیدوں سے دریافت کرتے ہیں کہ حیدرآباد میں

کیا یہ تقسیم کی اور اصلاحات تکمیل پا چکی ہیں ؟ صرف خرابی ہے تو یہ زبان پٹیل پٹواریوں میں ہی موجود ہے ؟ کیا انہیں ان بڑی بڑی جاگیروں اور اسٹیٹس میں جو ریاست میں تقریباً ایک تہائی رقبہ پر مشتمل ہیں کوئی نقص نہیں دکھائی پڑتا ؟ کیا یہ جاگیرات دیوانی کی حیثیت اور معیار کو حاصل کر چکی ہیں ؟

اس قرارداد کو پاس کرتے وقت وہ حیدرآباد کے ان قدیم روایات کو کیونکر بھول گئے جو موقع بے موقع بار بار دہرائی جاتی ہیں اور معاملات میں تو برٹش انڈیا کی تقلید میں ہماری قدیم روایات مانع ہوتی ہیں۔ مگر اس معاملہ میں اور صرف اسی معاملہ میں کیوں ان روایات قدیمہ کو بالائے طاق رکھا جا رہا ہے ؟ کیا محض اسی لئے نہیں کہ یہ خالص ہندوؤں کا مسئلہ ہے ؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا ملک کے سارے ادارے سرکاری یا غیر سرکاری ہر طرح کی برائیوں سے پاک ہیں ؟ اگر ان سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو کیا ان کے اس رزولیوشن کے پس پردہ خود غرضی اور فرقہ واریت موجود نہیں ؟ وہ اسے خوب جانتے ہیں کہ تبادلہ کی ترویج اور توریث کی تنسیخ سے موجودہ پٹیل پٹواریاں خدمات پر نہیں رہیں گے اسلئے کہ وہ اپنا گھر جانداد اور زراعت چھوڑ چھاڑ کر صرف چار پانچ پیہ کیلئے مارے مارے نہ پھریں گے۔ تب ان کی جگہ کسی اور کیلئے تو خالی ہوگی

ورنہ اسکے کیا معنی کہ دیگر معاملوں میں اس اسی (۸۰) فیصد دیہی آبادی کا مطلق
خیال نہیں رکھا جاتا اور ان کے ساتھ کوئی ہمدردی کا سلوک نہیں کیا جاتا۔
صرف اس ایک معاملہ میں ان کی یہ مہربانی کیوں اور کس لئے۔ یہ عجیب چیز
دلچسپ ہمیں کسی کا مصرعہ یاد دلاتی ہے۔

؎ خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر

اس سلسلہ میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ جب ملک میں جاگیرداری
مقطعہ داری، منصبداری، یومیہ داری اور انعامداری جیسے اور توریثی نظام
موجود ہیں تو ان تمام کو چھوڑ کر پٹیل پٹواریوں کو (جو سب ہندو ہیں) معرض
بحث میں لائیں تو ہم ان کے بارے میں کیا خیال کریں۔ اگر توریث ہی مخالفت
کرنی ہے تو سبھی کی ایکساتھ کیوں نہیں کیجا رہی ہے۔

ان نام نہاد ہمدردان وطن کو ہم یقین دلاتے ہیں کہ حکومت خوب
جانتی ہے اور اسے اس کا پورا خیال ہے کہ کہاں کیا اندھیر ہو رہا ہے
اور کس کی تہہ میں کیا چیز پنہاں ہے۔ یہ حضرات اپنی چکنی چپڑی باتوں سے
کم از کم سنجیدہ پبلک کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ اور نہ ان زوردار تحریکوں
سے حکومت کو اپنا ہم خیال بنا سکتے ہیں۔

# کرے کوئی اور بھرے کوئی

جہانتک پٹیل پٹواریوں کے ظلم وستم کا تعلق ہے وہ ایک وہمی اور تصوراتی چیز ہے۔ مظالم کی یہ خیالی تصویر حقائق سے دور اور گمراہ کن تخیلات کی پیداوار ہے۔ رعایا اور پٹیل پٹواری شیر وشکر کی طرح رہتے سہتے آئے ہیں۔ ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی مقدم موضع کے یہاں کوئی خوشی کی تقریب ہوئی ہو اور وہ اپنی عزیز جان رعایا اور ہم وطنوں کو مدعو نہ کیا ہو۔ اور عوام میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو اس خوشی کی تقریب میں خوشی خوشی شریک نہ ہوا ہو۔

جہاں کہیں بھی ہم رعایا اور مقدمین میں قدرے ناچاقی دیکھتے ہیں اسکے بعض وجوہات ہیں۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ عہدہ دار دیہی نمائندہ ہے۔ حکومت کا یہ ایک سیاسی نظریہ ہے کہ حکومت کا مفاد عوام کے مفاد سے جداگانہ ہوتا ہے۔ بعض دفعہ عہدہ دار دیہی کو عوام کے مفاد پر حکومت کے مفاد کو ترجیح دینی پڑتی ہے۔ جب عوام یہ دیکھتے ہیں کہ وہ شخص جس سے انکے

اتنے اچھے تعلقات ہیں اور وہ شخص جسے وہ اپنا سمجھتے ہیں وقت پر ان کے مفاد کا خیال نہیں رکھا تو ان کے دلوں میں خفیف سی خلش پیدا ہو تو کچھ عجب نہیں۔ چونکہ نفسیاتی نکتہ نظر سے انتہائی محبت ذراسی کج ادائی کو بھی گوارہ نہیں کرسکتی۔

دوسرے یہ کہ اس غریب (عہدہ دار) کیلئے عمال مال و کوتوالی اور عہدہ داران بالادست کی دلجوئی ضرور ہوتی ہے۔ تاوقتیکہ اُن کے روزمرہ کی فرمائشیں اور دیگر اغراض پوری نہ کیجائیں ان کا خدمت پر رہنا ہی ممکن نہیں۔ ان لوگوں کے اغراض کی تکمیل اس کے لئے فرائض منصبی کی ادائیگی سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ غرض اسلئے بھی بعض دفعہ انہیں اپنے ہم وطنوں کے ساتھ خفیف سی ترشی برتنی پڑتی ہے۔

بیٹھ اور بیگاری بھی بعض وقت مقدمین اور رعایا میں ناچاقی کی وجہ بنتی ہے۔ گو قانوناً بیٹھ اور بیگاری ناجائز ہیں۔ مگر چھوٹا بڑا ہر کوئی ملازم سرکار آتا ہے اور بیگار نکلواتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خواہ کتنا ہی بڑا عہدہ دار کیوں نہ ہو کسی موضع میں جاکر بذات خود دینا کام کرواتا ہے نہ کرواسکتا ہے۔ اسلئے یہ بوجھ بھی پٹیل پٹواری پر پڑتا ہے اور وہی مجبوراً ان کے لئے بیگار نکلواتے ہیں۔ بمفت کام کیلئے بھلا کون بخوشی تیار ہوسکتا ہے۔ اسلئے قدرے دباؤ ڈالے بغیر کام نہیں چلتا۔ ایک زمانہ تھا جبکہ عوام اپنے حقوق سے ناواقف

تھے بعض کہنہ پیر بیگار نکلتے تھے۔ مگر اب یہ بات نہیں رہی۔ جب
تندی سے کام لینا پڑے تو کبھی برائی ہو ہی جاتی ہے۔ یہی وہ ظلم جو
اُن لوگوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔

آخری وجہ رعایا اور مقدمین کے درمیان ظاہری بدولی کی یہ ہے کہ
مذہبی مبلغین ان دونوں دیہاتوں کو اپنا مسکن بنا رہے ہیں۔ امن اور ہموار
حالات کے تحت اُن کا کام نہیں بنتا۔ اسلئے وہ ان دونوں میں ناچاقی
پیدا کر کے رعایا کو اس شرط پر امداد دیتے ہیں کہ وہ اُن کا مذہب اختیار
کر لیں۔ اسطرح محض اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی خاطر وہ دیہات کی فضاء کو
مکدّر کرتے ہیں۔

پٹیل پٹواریوں پر رشوت ستانی اور لوٹ مار کا بھی الزام لگایا
جاتا ہے۔ ہمیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی بھی وضاحت کر دی جائے۔
یہاں غور کرنا چاہیئے کہ عہدہ وار بھی رشوت لیتا ہے کیا؟ اگر لیتا ہے تو
کیوں لیتا ہے؟ یا عوام سے کسی قسم کے رقوم وصول کرتا ہے تو وہ ان
رقوم سے کسقدر خود مستفید ہوتا ہے؟ یہ ایک حد درجہ نازک مسئلہ ہے
اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں بھی اُسکی
حیثیت "بے گناہ مجرم" کی سی ہے۔

حق کی بات یہ ہے کہ سرکاری دفاتر کا ملازم بلکہ بعض عہدہ دار تک

بغل میں کے شیروں کے بیٹھے رہتے ہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہر ادنیٰ سے اعلیٰ کام بلا رشوت کے انجام نہیں پاتا۔ جیسے حضرت ابی بلا شہ اب کے پیک کے اپنے ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکتا۔ بالکل اُن لوگوں کی حالت بھی ایسی ہی ہے چاندی کا ٹکہ تاوقتیکہ اُنکی جیب کی زینت نہ بنے اُنکے قلم میں جنبش ہی کہاں؟

ہم ذیل میں اُن چند مدات کی مختصر فہرست درج کرتے ہیں جن سے پتہ چلے گا کہ صرف عمال ماہی رعایا سے بالواسطہ طور پر کس قدر رقوم اینٹھ لیتے ہیں۔ پٹیل پٹواریوں سے لینے کے یہی معنی ہیں کہ وہ رعایا سے لے رہے ہیں۔ چونکہ یہ دیں تو کہاں سے دیں؟ معاوضہ قلیل آمدنی منقطع۔ ایسی صورت میں اُن سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنی ذات سے دیں گے۔ یہ ہماری نہ صرف بھول ہوگی بلکہ اُن کی نسبت غیر معمولی حسن ظن بھی۔ غرض وہ بحالت مجبوری رعایا سے رقم وصول کرکے ان تک پہونچاتے ہیں۔ یہاں انکی حیثیت ایک ذریعہ یا واسطہ کی سی ہے۔ اگر رقوم وصول کرتے ہیں تو اس ہاتھ سے لیتے اور اُس ہاتھ سے پہونچاتے ہیں اور خود بدنام ہوتے ہیں۔ "کوئلہ کی دلالی میں ہاتھ کالے" والا محاورہ یہاں ٹھیک اترتا ہے۔

# عمال مال کی رشوت کے مدات

وصولباقی :- خریف۔ آبی۔ ربیع۔ تابی۔ سال آخر۔

ہراج :- شیرلیو۔ آمرائی۔ ماہی تالاب۔ تمر ہندی۔ تنگا۔ شکم تالاب

لاونی :- ہر درخواست لاونی ہر اراضی تا بہر ورگ مبادلہ پر معمولاً صہ سے صعہ تک۔

لوکلفنڈ :- ہر مکان کی تعمیر پر۔

انعام :- ہر انعامدار کے وراثت پر۔ ہر درخواست رجوع پر۔

محافظی :- کاغذات کے ادخال اور نقول وغیرہ پر۔

مجاریہ :- ہر اجراء احکام پر۔

موصولہ :- ہر درخواست کے موصولہ کے وقت۔

چپراسی :- ہر طلبی پر۔ (۴ ر ۸ ر عصہ)

صیغہ تقرر :- ہر وراثت میں۔

صیغہ نمبری :- ہر مثل مثلاً شکایتی وغیرہ میں۔

گرداوری :- ہشت ماہی اور چار ماہی کے معمولات۔ تہ بندی کے معمولات نیز ہراجات میں بھی رشوت کا بازار گرم رہتا ہے۔ علاوہ بوقت دورہ ہر ہراہی کے۔

**صیغہ جمعبندی** زمانہ جمعبندی کے معمولات کے علاوہ ہر کارروائی متعلقہ اصلاح ذریعہ و اصلاح رویٹرن اور اخراج ذریعہ میں (عہ و صعہ) سے کم نہیں لیا جاتا ہے۔ ہر ہشت ماہی اور چار ماہی پر تخمین میں بھی معمولات دینی پڑتی ہے۔

**صیغہ تقرر** تقرر وطنداری جس صیغہ سے متعلق ہوتا ہے اُس صیغہ دار کی آمدنی ہر وراثت وطنداری میں (صعہ) سے کم نہیں ہوتی

اس موقع پر یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ وطندار کے فوت ہونے پر اس کے قریبی ورثاء کے نام وراثت منظور کرنے کیلئے اکثر عہدہ داران مال یعنی تحصیلدار وغیرہ ایکصد سے ہزار روپیہ تک رشوت حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بغیر وراثت منظور نہیں ہوتی۔ اور نوبت یہ ہوتی ہے کہ باوجود پیروی کرنیکے لاوارثی کی کارروائی آغاز کیجاتی ہے پیروی کے معنی رشوت دینا ہے۔ اگر کوئی شخص بغیر رشوت کے پیروی کرے تو سالہا سال گذر جانے کے باوجود عدم پیروی میں کارروائی لاوارثی آغاز ہوگی اور مثل بلا کسی تصفیہ کے ختم ہوگی حقیقت یہ ہے کہ یہاں حد یدیہ منظور کرنا نہیں ہے۔ صرف وارث جائز کے نام وراثت منظور کرنے کے لئے اسقدر مشکلات کا سامنا ہے

اسیطرح کوتوالی بلدہ دیگر سررشتہ داروں سے حکمدات بھی مقرر ہے۔ یہاں

بخوف طوالت حذف کرنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اسکے بعد سرکاری اعلیٰ عہدہ داروں کی باری آتی ہے۔ ان میں سے جو رشوتیں لیتے ہیں، انکی جیبیں گرم کئے بغیر چارہ نہیں۔ بلکہ جو رشوت نہ لینے کا بہانہ کرتے ہیں انکی فرمائشیں اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ سپلائی کرتے کرتے ناک میں دم آجاتا ہے بعض وقت یہ عہدہ دار سفید پوشوں سے قرض کے نام پر رقوم لیتے ہیں۔ جنکی واپسی کی تاریخ کبھی آتی ہی نہیں۔

انہیں خوش رکھنا ہو تو انکی اغراض کی تکمیل ضروری ہے۔ آخر بیچارہ وطندار دیہی کہاں سے لائیگا۔ ایسی صورت میں اس کیلئے دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو رعایا سے وصول کر کے عہدہ داروں کو خوش رکھے یا معطل یا برطرف ہو کر بھٹکتا پھرے۔

ہم ان سنجیدہ لوگوں سے اپیل کرتے ہیں کہ جنہیں اس مسئلہ سے دلچسپی ہے وہ جائیں اور ان عہدہ داران دیہی کی معاشی حالت کا جائزہ لیں۔ تو انہیں معلوم ہوگا کہ کوئی بھی اصلدار یا وطندار جو بسر خدمت ہے اچھی حالت میں نہیں ہے۔ البتہ وہ جو اپنی خدمت گماشتوں کے سپرد کر کے خود کوئی دوسرا دھندہ کر رہے ہیں مالی نکتہ نظر سے بہتر نظر آتے ہیں۔ اگر معترضین کا یہ اعتراض صحیح ہوتا کہ عہدہ دار دیہی رشوت لیکر بیجا استحصال سے خود مستفید ہوتے ہیں تو آج ہم بر سر خدمت مقدمین دیہی کو اچھی حالت میں دیکھتے اور

انکی مالی حالت بہتر پاتے۔ مگر معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ ان پٹیل پٹواریوں میں وہی قدرے اچھی حالت میں ہیں اور اپنی حیثیت کو سنبھالے ہوئے ہیں جو خدمات سے بالراست کوئی تعلق نہیں رکھتے بلکہ زراعت مستاجری یا گتہ داری وغیرہ کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہیں۔ ایسی صورتیں یہ کہنا کہ پٹیل پٹواری لوٹتے ہیں کسی طرح صحیح نہیں۔ یوں تو یہ لوگ ذاتی منافع کی خاطر عوام پر ظلم روا رکھنا گوارہ ہی نہیں کرتے۔ جہاں کہیں بھی ظلم و ستم کا سیاہ داغ دکھائی دیتا ہے وہ نتیجہ ہے اوروں کی دست غیب کا۔ یہ تو بیچارے اوروں کے آلہ کار ہیں۔ کرنے والا کوئی اور بھرنے والا کوئی ظلم ملازم سرکار کرتے ہیں۔ بدنام بدنصیب پٹیل پٹواری ہوتے ہیں۔

سچ پوچھئے تو رعایا پر ظلم کرنا موروثی وطنداروں کی مرضی کے خلاف ہے۔ ان بیچاروں کو اوروں کی خاطر بعض وقت اپنے ہم وطنوں سے برائی مول لینی پڑتی ہے۔ ذاتی مفاد کو ٹھکرا کر بھی بدنامی کا ٹوکرا سر پر لئے پھرنا پڑتا ہے۔ بالفرض ہم سمجھیں بھی کہ یہ رشوتیں لیکر اپنی جیبیں بھرتے ہیں تو ہمیں یہ دریافت کرنے دیجئے کہ کون سا محکمہ۔ کون سا دفتر۔ کون سا عامل اس سے بری ہے اور کہاں اس کا دور دورہ نہیں ہے اور انکی محنت کا معاوضہ کیا دیا جاتا ہے؟

وہ جا نہیں جہاں یہ نہیں

# مظلوم پر ظلم کا گمان

"عہدہ دار" نام دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مثل اور عہدہ داروں کے دیہی عہدہ داروں (وطنداروں) کو بھی آرام و آسائش اور اطمینان حاصل ہوگا۔ مگر یہ خیال خام ہے اور یہ بحر و عبث ہے۔ بالخصوص یہ طبقہ آجکل جسقدر پریشان ہے شائد ہی کوئی اور طبقہ ہو۔ انکی گوناگوں پریشانیوں اور تکلیفوں کی تفصیل کے لئے اس چھوٹے سے رسالہ میں گنجائش ہی کہاں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب دیہات کی رعایا کی حالت پہلی سی نہیں رہی۔ زمانہ اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ رعایا کی حالت بھی بدل گئی۔ دیہاتیوں کی کافی تعداد تلاش روزگار کیلئے شہر جاکر اپنے حقوق اور ذمہ داریوں سے واقف ہوکر واپس آتی ہے۔ اس شہر دیدہ رعایا کا دیگر لوگوں سے میل جول و نیز زمانہ کی ہوا وغیرہ نے دیہاتیوں کو قدرے ہوشیار اور آزاد و بنادیا ہے۔ اسلئے دیہاتیوں کی وہ حالت نہیں رہی جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے۔ کاش پلیٹ فارم سے تحریکوں کی بوچھار کرنے والے دیہات کے صحیح اور باطنی حالات کو سمجھنے کی کوشش

کرتے اور ان پٹیل پٹواریوں کی حالت زار کو حقائق کی روشنی میں دیکھتے تو یقین جانتے کہ بجائے ان پر قہر نازل کرنے کے ان کی قابل رحم حالات سے متاثر ہوکر خون کے آنسو ضرور بہاتے۔ انہیں ہمدردی کے مستحق قرار دیتے۔ دراصل ہمارے یہ خیالی ظالم (پٹیل پٹواری) سرکاری عہدہ داروں کی جا و بیجا سختی اور رعایا کی آزادی جیسے دو اہم پاٹوں کی مضبوط چکی میں بری طرح پسے جارہے ہیں۔

## عہدہ داران بالادست کا پٹیل پٹواریوں کیساتھ سلوک

عہدہ داران سرکار عام طور پر شہروں کے باشندے ہوتے ہیں۔ ابتداء ہی سے لکچروں، کتابوں اور اخباری بیانوں کے ذریعہ انکے ذہنوں میں یہ چیز ٹھونس دیجاتی ہے کہ "پٹیل پٹواری ظالم ہوتے ہیں اور کسانوں کو لوٹتے ہیں" یہ خیالی سودا سر میں لئے ہوئے اضلاع پہونچتے ہیں اور پٹیل پٹواریوں کی معمولی معمولی بلکہ بے بنیاد شکایتوں کو بلا ثبوت صحیح تصور کرکے سخت سے سخت تدارک کیا جاتا ہے۔ ہمیشہ ان افسروں کا رجحان انہیں ذلیل وخوار کرنے کی طرف ہوتا ہے۔ اگر موضع کے کسان اور عہدہ دار دیہی میں کوئی معاملہ مابہ النزاع ہو تو بلا سوچے سمجھے فیصلہ فریق اول کی جانب ہوجاتا ہے۔ کسی زمین کی نسبت دیہاتی اور عہدہ دار دیہی میں جھگڑا ہو تو فوراً عہدہ دار دیہی کے خلاف فیصلہ کردیا جاتا ہے۔ بعض

دفعہ تکمیل ضابطہ کیلئے تحقیقات کی بھی جائے تو فیصلہ معلوم۔ چونکہ وہی اصول ان کے پیش نظر ہوتا ہے کہ عہدہ دار دیہی غاصب اور متمول ہوتے ہیں اور کسانوں کو ستاتے ہیں" ہمیشہ ہر حالت میں اس مفروضہ نظریہ کے تحت انہیں نیچا دکھانے کی کوشش کیجاتی ہے۔ یہی نہیں معمولی معمولی باتوں کے لئے انہیں دق کیا جاتا ہے۔

گوناگوں اغراض کیلئے نت نئے چندے وصول کئے جاتے ہیں۔ اگر کسی نے بھی اپنی عدم استطاعت کے باعث کچھ بھی پس و پیش کیا تو سمجھ لیجئے کہ اس بیچارہ کی شامت آئی۔ تب بدلہ لینے کا موقع تراشا جاتا ہے کسی نہ کسی معاملہ میں پھانس کر مطلوبہ چندہ سے کہیں زیادہ جرمانہ عائد کیا جاتا ہے یا معطل یا برطرف کر کے بھٹکتے ہوئے پھرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

ہمارے دیکھنے میں یہ بھی آیا ہے کہ عمداً عہدہ داران سرکار غریب پٹیل پٹواریوں کے ذرائع آمدنی کو محدود کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مثلاً بعض جگہ ان کیلئے قرضہ کے لائسنس حاصل کرنے کا دروازہ عملاً بند کر دیا جا رہا ہے۔ جنگلات و آبپاشی کے چھوٹے موٹے کام جنہیں انجام دیکر اپنی آمدنی میں وہ تھوڑا بہت اضافہ کر لیتے تھے انہیں ان سے محروم کر دیا جا رہا ہے۔ اسی طرح اور چھوٹی موٹی باتیں ایسی ہیں جنکو ضبط تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ جیسے یہ واقعہ کہ جب تحصیلدار صاحب تلف مال کے پنچنامہ کیلئے

دیہات جاتے ہیں۔ اوروں کے دہن اڑیوں کا پنچنامہ تو فوراً کردیتے ہیں مگر جہاں پٹیل پٹواری یا قدرے سفید پوش پٹیل پٹواری کے نمبرات آتے ہیں تو نامنظور کردیا جاتا ہے کس قدر حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ ایک دہن اڑی کے چاروں طرف کے نمبرات تلف نال میں شامل ہوجاتے ہیں اور صرف بدنصیب عہدہ داران دیہی کو زبردستی محاصل ادا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اور بہت سی باتیں ہیں جن میں خواہ مخواہ انہیں پریشان کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ یہاں طوالت کے خیال سے چھوڑ دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ غرض جب وہ خود اوروں کے ہاتھوں اسقدر پریشان ہیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ دوسروں کو پریشان کریں۔ شائد پیوستہ سال کا واقعہ ہے کہ ایک موضع کے پٹیل نے ان پریشانیوں سے تنگ آکر اپنی موروثی خدمت سے دستبرداری کے لئے استعفیٰ پیش کردیا تھا اور گذشتہ ماہ کا واقعہ ہے کہ ایک تحصیلدار نے پٹواری سے فحش کلامی کی اور مارا پیٹا۔ اس پر پٹواری نے احتجاجاً استعفیٰ پیش کردیا۔

# مان پان کا پیاسا اور غریب وطنداری

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اس قدر مصائب اور آلام
برداشت کرتے ہوئے یہ لوگ بلا معقول معاوضہ کے صرف (۵ سے ۵ روپیہ)
روپیہ اسکیل سالانہ پر صبح تا شام کیوں سر پھوڑتے ہیں اور ان خدمات کیلئے
ہزاروں روپیہ عدالتی کارروائیوں کی نذر کیوں کرتے ہیں۔

دراصل عدالتوں میں لڑنے کیلئے جو وجہ تحریک بنتی ہے وہ رعایا د
سے ناجائز آمدنی حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ قدیم اعزاز اور مان پان ہے
پٹیل تو پٹیل نیرڑی اور سیت سیندھی تک اپنے اوطان کے لئے جس کی
مادی طور پر کوئی حیثیت نہیں رہتی جھونپڑی تک بیچ کر کیوں لڑتے ہیں؟ اسی
لئے تاکہ اس وطن کی وجہ سے اس کی اپنی برادری میں عزت اور وقار ہے
بیٹا بیٹی کی شادی بیاہ میں آسانی ہوتی ہے۔ گو اب اس اعزاز میں بھی
فرق آگیا ہے۔ جو عزت ان کے آبا و اجداد کو حاصل تھی اس کا عشر عشیر
بھی اب انہیں حاصل نہیں۔ تاہم ان کی قدامت پسندی کا ہر ایک

خیالی اعزاز انہیں ان خدمات سے چمٹائے رکھتا ہے۔ ہاں ہم مانتے
ہیں کہ ایک وقت ایک ایک وطن نیلام سے ہزاروں روپیوں میں
اٹھتا تھا۔ اب ہزاروں تو کجا سو دو سو کے نام بھی گاہک کانوں پر
ہاتھ دھرتے ہیں کئی مثالیں ہمارے یہاں ایسی موجود ہیں کہ باوجود کوشش
کے منجانب سرکار کوئی گماشتہ میسر نہ آسکا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے
اور کیا ہو سکتی ہے کہ نظام حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ عہدہ داران
دیہی کے کام اور ذمہ داریوں میں بے انتہا اضافہ ہو گیا ہے۔ جوں جوں
محکمے بڑھے اور نئے سررشتے قائم ہوئے۔ اسی مناسبت سے دفتر دیہی
کے عملیات میں نہ صرف اضافہ ہوا بلکہ پیچیدگیاں بھی بڑھ گئیں مگر آمدنی
میں ایک پائی کا بھی اضافہ نہیں ہوا۔ حالانکہ اور ملازمین سرکار عالی کی
تنخواہیں ٹائم اسکیل کے ذریعہ کدھر کی کدھر پہونچ گئیں۔

دوسری وجہ ان خدمات کو نہ چھوڑنے کی ان خدمات کی
قدامت ہے۔ یہ لوگ پشتہا پشت سے ان عہدوں پر قائم رہے اسلئے
انہیں باوجود تکالیف کے ان اوطان سے ایک خاص روحانی انس
پیدا ہو گیا ہے یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ قیدی کو بھی زیادہ عرصہ تک
قید و بند میں رہنے سے قید خانے کی تنگ و تاریک کوٹھڑی سے محبت
پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی حال ان کا بھی ہے۔

مثل اور ہندوستانیوں کے پٹیل پٹواری بھی حد درجہ کے قدامت پسند واقع ہوئے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے آباواجداد کے حاصل کردہ نام نہاد اعزازات (اوطان) کو چھوڑ دینا اپنی نادانی پر تاویل کرتے ہیں۔ بلکہ اس قدیم خاندانی و موروثی مان پان کو ہاتھ سے جانے دینا اپنے اور اپنے خاندان کے لئے باعث شرم و ننگ تصور کرتے ہیں۔



# خاتمۂ توریت کے چور نگی اثرات

ان عہدہ داران دیہی کے عام نہاد ظلم و ستم کی حقیقت بیان کرنے کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر بالفرض ان بہی خواہان وطن کے سنجیدہ مشورہ پر عمل کریں تو کس قسم کے نتائج اور اثرات مرتب ہونگے۔

**سیاسی** پہلے تو ان لوگوں کے دیرینہ خدمات اور وفادارانہ رویہ کو ٹھکرا کر محض وہمی تہمتوں کی ہیر پھیر میں اگر ستمدد گشتیوں کی موجودگی میں یک قلم توریث کی تنسیخ سے ملک کے طول و عرض میں ایک عام ہیجان اور بے چینی پیدا ہو گی۔ اس قسم کی اور ان لوگوں کی یہ بے چینی سیاسی فضاء کو مکدر کر کے امن و امان کی جڑوں کو کھوکھلی کر دے گی۔

**معاشی** تقریباً (۶۶) ہزار لوگوں کا اپنے پیشہ سے الگ ہو جانے سے یقینی ایک معاشی ہراسانی نمودار ہو گی۔ گو ہم یہ مانتے ہیں کہ ان کی جگہ (۶۶) ہزار بے روزگار روزی کے

لگ جائیں گے لیکن ان نئے آنے والوں کا پیٹ اس قدر قلیل
معاوضہ میں نہ بھر سکے گا۔ قدرے مبالغہ کے ساتھ ہم انہیں
بھوکا ہی تصور کر سکتے ہیں۔ چونکہ اس آمدنی سے وہ اپنی ابتدائی
ضروریات زندگی تک پورا نہیں کر سکتے۔ گویا ان کا ان خدمات پر
تقرر ہونے سے کارگذار بے روزگاروں (بھوکوں) میں مزید (۶۶)
ہزار کا اضافہ ہوگا۔

**فرقہ واری**

یک لخت (۶۶) ہزار ہندوؤں کے اپنے اپنے عہدوں
سے الگ ہو جانے اور اُن کی جگہ دوسروں کے
آجانے سے (جس کا اندیشہ ہے) ملک کے دو بڑے فرقوں کی
کشیدگی میں اضافہ ہوگا۔ ان کے اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوگی۔
بلکہ فرقہ واری کشمکش جو اب تک صرف شہروں تک محدود ہے
دیہات تک پہونچ جائے تو کوئی عجب نہیں۔ اسطرح پورے ملک کو
اضطراب و پریشانی کے بدترین دور سے گذرنا پڑے گا۔

**مالیاتی**

تبادلہ اور تقرر کے ساتھ ساتھ تنخواہوں کے
سوال کا پیدا ہونا لابدی ہے۔ دو ڈھائی روپیہ
ماہانہ پر کوئی ایسا شخص میسر نہ آئے گا جو دیہی معاملات کو سلجھا سکتا
ہو اور ان پیچیدہ عملیات پر عبور حاصل کر سکتا ہو۔ ان دیہی عملیات

کی پیچیدگیوں کا لحاظ کرتے ہوئے موزوں شخص کا کم از کم (۵۰۰)
روپیہ ماہانہ دئے بغیر ملنا ممکن نہیں ۔ فی کس (۵۰۰) روپیہ کے حساب سے
(۶۶) ہزار لوگوں کے معاوضہ کے اخراجات (۶۶۰۰۰×۲۵×۱۲) تقریباً
دو کروڑ کا بار سرکاری خزانہ پر پڑے گا ۔ اگر سفر خرچ کے اخراجات
بھی اس میں شامل کرلیں تو اس کی مقدار میں اور اضافہ ہوگا اگر
موجودہ معاوضوں کو اس میں سے منہا بھی کریں تو لگ بھگ
پونے دو کروڑ کی گرانبار رقم حکومت کو زائد صرف کرنی ہوگی ۔ یہ
بار حکومت کی آمدنی کا لحاظ کرتے ہوئے کافی زیادہ ہے یا تو اسکی
تلافی کا کوئی ذریعہ ڈھونڈ نکالنا ہوگا یا عوام پر نیا ٹیکس عائد کرنا
پڑے گا۔

# وہ آئے تو تنہا کیونکر آئے

اس انتظام سے پیدا ہونیوالی دقتیں یہ سچ ہے کہ کہنا جتنا آسان ہے کرنا اتنا آسان نہیں۔ یوں تو بعض چیزیں اصول کی حد تک بھلی اور سہولت بخش معلوم ہوتی ہیں لیکن عملی دنیا سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتیں چنانچہ اس تحریک کا بھی یہی حال ہے۔ پٹیل پٹواریوں کی اپنے فرائض سے دلچسپی مستعدی او۔ دیانت داری وغیرہ کی وجہ بیشتر اوطان کی غیر تبدیل پذیری اور موروثیت ہے جب تقرر اور تبادلے ہونگے تو یقین جانئے کہ ان کی موجودہ دلچسپی مستعدی اور محنت پسندی کسی صورت سے باقی نہیں رہ سکتی۔ ادھر تبادلہ ہوا کہ اُدھر دلچسپی اور محنت پسندی کو پَر پیدا ہو گئے۔ جب تک توریث باقی ہے تبادلہ اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

عام طور پر بعض اصلدار خود کام انجام نہیں دیتے بلکہ اُنکی جگہ

گماشتے کارپرداز ہوتے ہیں. ایسی صورت میں تبادلہ ہو تو کس کا ہو؟ اصلدار کا کہ گماشتوں کا۔ ایک دوسری دقت یہ ہے کہ ایک شخص کے کئی کئی اوطان ہوتے ہیں ۔ان کا تبادلہ کرنا ہو تو بے حد دقت ہوگی۔ مثلاً ایک ہی موضع میں ایک شخص کے تین اوطان (مالی. کوتوالی اور پٹواری گری) ہیں بحیثیت مقدم مالی اس کا تبادلہ ہو تو بقیہ دو خدمات کا کیا حشر ہوگا؟ تیسرے یہ کہ سب مواضعات کا اسکیل برابر نہیں ہوتا۔ اسکیل کے تفاوت کا معتد اثر تبادلے کی اسکیم پر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا۔ علاوہ ازیں یہ لوگ سرکاری نظم ونسق جیسی عظیم الشان عمارت کے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں تقریباً ہر سررشتہ کا تعلق ان سے ضرور ہوتا ہے ایسی صورت میں انکی اہمیت اور ذمہ داری محتاج بیان نہیں ۔دیہی عملیات اسقدر پیچیدہ ہوتے ہیں کہ سینکڑوں کی تنخواہ پانے والا عہدہ دار بھی بآسانی سمجھ نہیں سکتا۔ اسطرح ان کے بے موقع تبادلہ جات اور غیر ذمہ دارانہ تقررات سے ان عملیات کی پیچیدگیوں اور سرحدی جھگڑوں کے سمجھنے میں بے انتہا مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور ان کے محض معمولی سقم سے بھی سرکار کے کثیر نقصان کا احتمال ہے۔

# دردِ سر کی دوا قطعِ سر نہیں!

دن کے ساتھ رات، روشنی کے ساتھ تاریکی، خوشی کے ساتھ رنج دھوپ کے ساتھ سایہ اور محاسن کے ساتھ قبائح ہمیشہ لگے ہی ہوئے ہیں۔ ہم کسی ایسی چیز کا خیال تک نہیں لا سکتے کہ جہاں اچھائیاں ہی اچھائیاں ہوں اور برائیاں یا خرابیاں نام کو نہ ہوں۔ بے عیب صرف خدا کی ذات ہے۔ اس لئے جہاں محسن ہوتے ہیں وہاں چند برائیوں کا ہونا بھی لابدی ہے۔ چونکہ دنیا کا کوئی بھی نظام مکمل اور بے عیب نہیں ہے۔ اس لئے ہم یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ نسل اور نظاموں کے اس نظام میں بھی سقم ہے۔ مگر چند برائیوں کو دیکھ کر اسکی ساری بھلائیوں اور خوبیوں کو بھلا دینا ان چند برائیوں کی وجہ سے اس کا خاتمہ کر دینا نہ صرف ناانصافی ہے بلکہ نادانی بھی۔

وطنداروں میں چند خرابیوں کے ہوسنے سے ان کی تو ریث مٹا دینا بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے کسی بیمار آدمی سے اس کے زندہ

دینے کا چھین لینا یا بالفاظ دیگر دواد اروکرٹ کی بجائے سم قاتل دیکر اُسے ختم دینا یا درد سر کا علاج قطع سر سے کرنا ہے۔ کسی بگڑے ہوئے نظام کو صرف دو ہی طرح سے ٹھیک حالت میں لایا جا سکتا ہے ایک تو انقلاب دوسرے اصلاح۔ انقلاب کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ایک مروجہ نظام کو از سر تا پا بدل دیا جا کر اس کی جگہ ایک نئے نظام کی وانع بیل ڈالی جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس تبدیلی کا انجام کامیابی ہو۔ چونکہ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں بہت سارے انقلابوں کو ناکامی دیکھنی پڑی۔ مگر اصلاح کی صورت میں خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ مروجہ نظام کو حسب حال برقرار رکھ کر آہستہ آہستہ ترقی پذیر تبدیلیاں پیدا کر دیجاتی ہیں۔ دنیا میں اب تک کسی اصلاحی تحریک کو ناکامی نہیں ہوئی۔

غرض انقلاب کی کامیابی یقینی نہیں۔ مگر اصلاح ہمیشہ خوشگوار نتائج پیدا کرتی ہے۔ پٹیل پٹواریوں کی توریث مٹانا اور ان کا تبادلہ کیا جانا وہی نظام میں انقلاب برپا کرنا ہے۔ جب اصلاح سے کام بن سکتا ہے اور ان عیوب کو تھوڑی سی کوشش سے دور کیا جا سکتا ہے تو خواہ مخواہ موجودہ نظام کو الٹ دینا اور اُسے نکال پھینکنا دانشمندی نہیں۔

ہماری رائے میں اصلاح مناسب ہے۔ اصلاح کے
ضروری ہے کہ نہ صرف برائیوں کا پتہ لگایا جائے بلکہ برائی کے اس
کا بھی۔ اسباب کا پتہ لگائے بغیر ہماری ساری اصلاحی کوششیں
ثابت ہونگیں۔ ہم نے پچھلے صفحوں میں صاف اور صریح طور پر
بتلا دیا ہے کہ اصل خرابی کہاں چھپی ہے۔ جہاں خرابی ہے وہیں اصلا
ہونی چاہئے ورنہ "زخم کہیں اور مرہم کہیں" کا حساب ہو جائے گا
اس سے دہری مصیبت پیش آئے گی۔ ایک تو زخم کی تکلیف حسب حا
باقی رہے گا۔ دوسرے یہ کہ ایسی صورت میں مرہم کا لگانا بھی
فعل عبث ہوگا۔ اس لئے اس سلسلہ میں اسباب کا صحیح اندا
کر لینا نہایت اہم اور ضروری ہے۔



# یہہ وہ مرہم نہیں جو زخم کو مٹا سکے

بالفرض ان پٹیل پٹواریوں کا تبادلہ کیا جائے اور انکی توریث بھی ختم کر دیا جائے تو اس سے دیہات کی ساری خرابیاں دور ہو سکتی ہیں؟ اگر ایسا ہی ہوتا اور محض تبادلوں اور توریث کے ہٹنے سے تمام برائیاں دور ہو سکتیں تو آج ہم سرکاری عاملوں، ملازمتوں اور دفاتروں میں وہ خرابیاں نہ دیکھتے جو اب دیکھنے میں آ رہی ہیں۔ تبادلہ ہی سارے امراض کی دوا ہوتا تو کیوں ان ملازمتوں میں خرابی دکھائی دے رہی ہے؟ و نیز یہ بات ٹھیک ہوتی تو نہ انسداد رشوت ستانی کی کوشش کرنی پڑتیں اور نہ اس کے بارے میں کمیٹیاں بنتیں۔

یہاں ایک قابل لحاظ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے پاس وہ کیا وجوہات ہیں کہ جن کے بل بوتے پر ہم یہ کہہ سکیں کہ تبادلہ کے بعد کام کرنے والے پٹیل پٹواری جملہ برائیوں سے پاک ہوں گے و نیز یہ کہ

یہاں وہ کون اسباب ہیں جن کی بنا پر ہم ان سے بہترین توقعات رکھ سکیں۔ ان کی جگہ جو بھی آئے گا وہ بحیثیت عہدہ دار دیہی کے ہی آئے گا بمثل اوروں کے وہ بھی وہی کام کرے گا جو یہ کرتے ہیں۔ چونکہ ہمیں اس اسکیم میں کوئی چیز ایسی غیر معمولی نہیں دکھائی دیتی جو آنے والوں کو تمام برائیوں سے روک سکے۔

بعض لاوارث خدمات پر اب بھی منجانب سرکار گماشتے کام کر رہے ہیں ان میں اور دیگر مقدمین کے کام میں رتی بھر کا بھی تفاوت دکھائی نہیں پڑتا۔ بلکہ انکی کارگذاری ان لوگوں سے گئی گذری ہی معلوم ہوتی ہے منجانب سرکار گماشتگان اور نئے آنے والوں کی حیثیت ایک سی اس لئے ہے کہ ہر دو میں توریث کا فقدان ہے۔ علاوہ ازیں ان گماشتگان کی صورت عارضی کارندوں کی سی ہوتی ہے۔ اور تبادلہ پذیر عہدہ داران موضع بھی موضع کے لئے مستقل حیثیت نہیں رکھتے ان دونوں میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ غرض ان منجانب سرکار گماشتوں کو آئندہ نظام کے کارندوں کے نمونہ یا ماڈل تصور کرلیں تو بیجا نہیں۔ لہذا اگر ہم ان چھوٹے سے نمونوں کو پیش نظر رکھکر یہ اندازہ لگائیں کہ ہونے والے نظام کے تحت آنے والے بھی ایسے ہی ہوں گے جیسے کہ اب یہ ہیں تو کوئی غلطی نہ ہوگی۔ وہ فرشتے

تھوڑے ہی ہونگے کہ انکی نسبت بلا کسی وجہ کے غیر معمولی حسن و ظن
رکھا جائے ہمارا ایسا کرنا مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا۔ ہم تو خیال کرتے
ہیں کہ وہ ان حالات کے تحت بدتر ثابت ہوں گے۔ چونکہ وہ اس
کام کے لئے بالکل نئے ہوں گے۔ انہیں وہ خاندانی ٹریننگ کہاں میسر
جو موجودہ پٹیل پٹواری اور اُن کے بچوں کو وراثتاً ملتی ہے۔ گو بظاہر
یہ چیز بہت ہی معمولی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت اس کی بے انتہا
اہمیت ہے۔ مثلاً ایک درزی یا بڑھائی جو خاندانی طور پر پیشہ
اختیار کئے ہوئے ہے محض تھوڑی سی جدوجہد سے جس بہتر طریقہ
اور فن دانی سے اپنا پیشہ انجام دےسکتا ہے اس خوبی اور آسانی
سے دوسرے شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والا نہیں دےسکتا ہے علاوہ
ازیں انکو دیہات کے نشیب و فراز سے واقفیت ہوتی ہے نہ اوطان
اور دیہی معاملات سے دلچسپی۔ موجودہ پٹیل پٹواری دیہات کی رگ رگ
سے واقف ہوتے ہیں وہ دیہاتیوں کی خوب نبض شناسی کرتے ہیں۔
انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ کس شخص سے کیونکر کام لیا جا سکتا ہے۔ کبھی
نرمی، کبھی گرمی۔ اور کبھی خاندانی روابط کے اثر سے کام بنا لیتے ہیں۔ ان کے
پیش نظر صرف ایک بات رہتی ہے کہ کسی طرح سرکاری کام میں ہرج نہ ہو۔
اوطان موروثی ہونے کی وجہ سے یہ انہیں اپنی ذاتی شئے

سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کو اوطان سے غیر معمولی دلچسپی اور احساس ذمہ داری ہوتا ہے۔ ان کی دلچسپی، اثر، واقفیت، خاندانی تجربہ اور عوام کے ساتھ خانگی روابط یہ سب چیزیں ملکر سرکاری کاروبار کے انجام پانے میں حد درجہ سہولت پیدا کرتی ہیں۔

دراصل ذمہ داری اور احساس فرض شناسی ایسی چیزیں ہیں جو کسی شخص میں ٹھونس دینے سے پیدا نہیں ہوتیں۔ بلکہ فطری وویعت کے ساتھ ساتھ ماحول کو بھی اس میں بڑا دخل ہے۔ اسلئے ماحول کا پیدا کیا جانا ضروری ہے۔

بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ چونکہ برطانوی ہند کے بعض علاقوں کے اوطان تبادلہ پذیر اور غیر موروثی ہیں۔ اسلئے یہاں پر بھی ان کی نقل اتارنی چاہیے۔ ان نقل کے دلدادوں سے ہم یہ دریافت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے برطانوی ہند اور حیدرآباد کے حالات کا کبھی باہم مقابلہ کیا ہے؟ کیا وہ ہر دو مقامات کے حالات کو یکساں پاتے ہیں۔ اگر نہیں تو ان دونوں کو مساوی سطح پر لانے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد کہیں اس طرف رجوع ہوں تو مناسب ہے۔ وہاں کے حالات بالکل جداگانہ ہیں۔ اور وہاں کی روایات ہم سے مختلف ہیں۔ ہم اگر نقال بنکر انکی نقل اتارنا ہی چاہیں تو

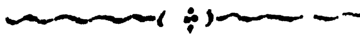
پہلے اس کی عمدہ اور اچھی باتوں کی نقل اتارنی چاہیئے بجائے اسکے کہ ان کے ان اصولونکی نقل کیجائے جو وہاں خود نہیں نبھ رہے ہیں اور نیز ان کی ان چیزوں کی کاپی کرنی چاہیئے جو وہاں کامیابی کے ساتھ چل رہی ہیں۔ عہدہ داران دیہی کے متعلق وہ اسکیم جس کی داغ بیل یہاں ڈالنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ برٹش انڈیا اور دیگر مقامات میں جہاں کہیں بھی رائج کیا گیا ہے سرسبز نہ ہو سکا۔ ہم دو ایک جگہ کے تذکروں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

برطانوی ہند کے صوبہ بمبئی میں عام رواج کے خلاف تبادلہ اور تقرر کا طریقہ رائج کیا گیا لیکن وہاں اسکے کچھ اچھے نتائج برآمد نہ ہوسکے مدراس میں تواب بھی وہی پرانا طریقہ رائج ہے۔

ہمیں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ میسور میں بھی کچھ عرصہ پہلے اسی قسم کی تجویز پیش ہوئی تھی۔ اور جب اس پر عمل کیا گیا۔ اور جب اسے تجربہ کی کسوٹی پر کسا گیا تو بے انتہا دقتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بالاخر ناممکن العمل ہونے سے وہی قدیم طریقہ دوبارہ اختیار کرنا پڑا۔

جب ہمارے سامنے ایسے نظام کی شاندار شکست کی متعدد مثالیں موجود ہیں تو اسے جاری کرنا اور اسے روبہ عمل لانا اپنے

آپ کو نا ممکنات کی طرف لے جاتا ہے۔ ہر شخص ہر چیز کا خود تجربہ نہیں کرتا۔ وہ اکثر معاملات میں اوروں کے تجربات سے ہی فائدہ اٹھاتا ہے۔ دنیا اسی کو عقلمند کہتی ہے جو ان چیزوں پر عمل کرتا ہے جو اوروں کے تجربوں میں بہتر ثابت ہوئی ہیں۔ اور ان چیزوں سے گریز کرتا ہے جو دوسروں کے تجربوں میں بری ثابت ہوئی ہیں۔ ہمیں افسوس ان لوگوں پر ہوتا ہے جو یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ یہ نظام اور جگہ کچھ بہتر نتائج برآمد نہ کر سکا۔ اس پر مصر ہیں کہ اس کی ریس کیجائے۔



# سرکاری ملازمتوں میں توریثی جرائم

یہ ایک عجیب و غریب بات ہے کہ حیدرآباد میں دو متضاد ذہنیتیں کام کر رہی ہیں کہیں تو توریث کی موافقت ہو رہی ہے اور کہیں اس پر پُر زور مخالفت۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ سرکاری ملازمتوں میں عام طور پر انہیں اشخاص کو موقع دیا جاتا ہے جن کے آباو اجداد ملازم تھے یا ہیں بالخصوص کسی سررشتہ میں کسی کے اقرباء کارگذار ہیں تو ان کا حق مقدم سمجھا جاتا ہے۔ معمولی معمولی پولیس کی ملازمتوں سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں جیسے سیول سروس وغیرہ میں تک اس کا بطور خاص لحاظ رکھا جاتا ہے۔ پہلے ہی انٹرویو میں یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ آیا اس خاندان کا کوئی فرد اس سررشتہ سے تعلق رکھتا ہے یا کیا؟ اگر نہیں تو سمجھئے کہ اسکو بھی تقریباً نفی میں جواب مل گیا۔ سیول سروس کے امتحان کی درخواست میں اس قسم کی تفصیلات اور تذکرے سخت ضروری ہیں۔ اس کے کیا معنی کہ ایک صوبہ دار یا تعلقدار کا بیٹا اگر تعلقدار

نہیں تو عام طور پر ابتدا تحصیلدار یا دوم تعلقدار ہو ہی جاتا ہے۔ دیگر ملازمتوں کا بھی یہی حال ہے اور عموماً وہ افراد جنکے آبا و اجداد ملازم نہ تھے خواہ وہ ملازمت کے لئے کتنے ہی موزوں اور اہل کیوں نہ ہوں انہیں ملازمت کے مواقع کم دئے جاتے ہیں۔ ہمارے دیکھنے میں یہ بھی آیا ہے کہ اگر باپ کسی بڑے عہدے پر ہے تو اس کے سارے لڑکے اچھی خدمتوں پر مامور ہوتے ہیں بعض وقت ان کے یہاں ضروری ڈگریاں بھی نہیں ہوتیں۔

ہم اس ترجیحی طور تنظیم کو توریث بلکہ اس سے کہیں بڑھکر سمجھتے ہیں۔ جب یہ طریقہ بھی توریث کے مشابہ ہے تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ توریث کے مخالفوں کی زبان اس جگہ کیوں بند ہے؟ کیا انکی یہ خاموشی معنی خیز نہیں؟ غرض جب سرکاری ملازمتوں میں جنکے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ان میں توریث کو کوئی دخل نہیں وہاں بھی توریثی جراثیم نمایاں طور پر داخل ہوتے جا رہے ہیں۔ تو بھلا ان خدمات کو جو صدیوں سے موروثی ہیں غیر موروثی بنانے کی کوشش مضحکہ خیز نہیں تو کیا ہے؟

ملک کا سنجیدہ طبقہ بالخصوص بہت سی قابل ہستیاں عہدہ داران دیہی سکے تیار رندوں اور تنسیخ توریث کی تحریک کے خلاف ہیں جن میں

قابل ذکر عالیجناب مولوی محمد بیگ صاحب سابق اول تعلقدار وحال کنٹرولر اسٹیٹ پیشکاری جو نہ صرف تنسیخ توریث کے مخالف ہیں بلکہ تبادلوں کے بھی۔ اس خصوص میں اُنکی رائے جسقدر صائب اور اہمیت کی حامل ہے دوسروں کی نہیں ہوسکتی۔ چونکہ اُنکی ساری عمر انہی پٹیل پٹواریوں میں کٹی و نیز ان کا راست دیہات سے تعلق تھا۔ اسی طرح عالیجناب مولوی میر اکبر علیخاں صاحب بیرسٹر نے بھی جنہیں نہ صرف حیدرآبادی سیاسیات بلکہ مالی معاملات پر بھی خاص عبور حاصل ہے اس تحریک سے سخت اختلاف کیا ہے۔

تبادلوں کے بارے میں ایک اہم مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ ملک کا قابل دماغ اور چوٹی کا انجینئر ان تبادلوں کا بے حد مخالف ہے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ ذمہ دار عہدہ داروں کے بار بار بے وقت تبادلوں سے سرکاری کام میں بے حد ہرج واقع ہوتا ہے۔ ایک نئے شخص کو نئے ماحول میں ڈھلنے اور نئے مسائل کو سمجھنے کافی وقت لگ جاتا ہے قدرے سنبھل کر اور کام کو سمجھ بوجھ کر تھوڑا بہت کرنے کے قابل بھی نہیں ہوتا کہ پھر احکام تبادلہ آجاتے ہیں۔ اس طرح سرکاری کارروائیاں بری طرح متاثر ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کی یہ تجویز ہے کہ موجودہ تبادلوں کو اگر موقوف کیا جانا ناممکن ہے تو کم از کم طویل

وقفوں کے بعد کیا جانا چاہئے۔

ہم نے شہر کے بڑے بڑے محکموں مثلاً فینانس، صدر محاسبی معتمدی مال عطیات اور ہائیکورٹ وغیرہ کے عمال کا تبادلہ ہوتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ جب ایک وقت ان محکموں میں ملازم ہوتے ہیں تو وظیفہ لیکر ہی ان سے نکلتے ہیں۔

غرض ہم جب تبادلہ پذیر خدمات میں غیر تبادلہ پذیر رجحانات کو دیکھ رہے ہیں تو پشتہا پشت کے غیر تبدیل پذیر عہدوں کیلئے تبادلہ کی کوششیں بے سود معلوم ہوتی ہیں۔

# کرو یا تجو

(۲)

بعض خاتمہ توریث کے سویدوں نے اپنی مقصد برابری کے لئے ایک نیا اور نرالا طریقہ نکالا۔ پہلے تو انکی یہ کوشش تھی کہ توریث کی تنسیخ کیجائے اور اسے نکال پھینکا جائے۔ لیکن جب اُنہوں نے دیکھا کہ "پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا" تو اپنے اس نظریہ کو اُنہوں نے ایک نئے انداز اور نئے بانکپن کے ساتھ پیش کیا۔ وہ یہ کہ اصلداروں پر یہ لازم کر دیا جائے کہ وہ خود کام انجام دیں۔ ہم نے اس پر غور کیا اور خوب غور کیا اور اسکی تہ تک پہونچنے کی کوشش کی۔ بالآخر یہی نتیجہ اخذ کیا کہ توریث کے مٹانے اور اصلداروں پر خدمت گذاری کا لزوم عائد کرنے میں بنیادی طور پر تو کوئی فرق نہیں ہے صرف الفاظ کی ہیر پھیر ہے۔ فرق طرز بیان میں ہے وہ بلاواسطہ تھا یہ بالواسطہ ہے۔ پہلا استدلال جہلک سہی مگر صاف اور صریح معلوم ہوتا ہے اور دوسرا مبہم۔

ان دونوں میں ہم پہلے مکتب خیال کے لوگوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

چونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں صاف صاف کہتے ہیں۔ انکا باطن کچھ اور ظاہر کچھ نہیں۔ دوسرے طرز خیال والوں کی گول مول باتوں کے وہی معنی ہیں جو خاتمہ توریث کے ہیں۔ دونوں مکاتب خیال کے لوگوں کا مدعا ایک اسلئے ہے (جیسا کہ ہم نے اوپر تذکرہ کیا ہے۔ اصلداروں پر خدمت گذاری کے لزوم سے شائد یہ کام کسی طرح انجام نہیں دیں گے۔ جب انجام نہیں دینگے تو خود بخود انہیں موروثی خدمات سے سبکدوش ہونا پڑے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ چند اہم وجوہ کی بناء پر اصلدار خود کام کرنیکی بجائے گماشتوں کو مقرر کرتا ہے۔ وہ یہ ہیں کہ یا تو وہ اس قابل ہے کہ دیگر ذرائع سے بہ نسبت معاوضہ وطن کے زائد آمدنی کما سکتا ہے یا وہ بالا دست آفسر س کی بیجا سختی کو برداشت نہیں کرسکتا یا اسکے کئی کئی اوطان جیدہ جیدہ سو اضعات میں پھیلے ہوئے ہیں جسکی وجہ وہ تنہا کام انجام نہیں دیسکتا یا بعض اصلدار اپنی اعلیٰ قابلیت یا ناقابلیت کی وجہ سے ذاتی طور پر خدمات انجام دینے سے گریز کرتے ہیں۔

بالفرض اگر ہم ان محرکوں کے سببوں کو صاف بھی تصور کرلیں تو بھی انکا یہ کہنا کہ اصلداروں کے کام کرنے سے خرابیاں دور ہونگیں صحیح نہیں۔

جیسا کہ قبل ازیں ہم نے تذکرہ کیا ہے کہ جب اصلدار یہ دیکھتا ہے کہ وہ قلیل صلہ جو ان خدمات کے عوض ملتا ہے اسکی بڑھتی ہوئی ضروریات کا

ساتھ نہیں دیتا تو خدمت پر گماشتہ رکھکر وہ اپنے لئے کوئی جائز ذریعہ آمدنی تلاش کر لیتا ہے جو اسکی ضروریات کی کفیل بن سکے۔ ایسی صورت میں اسے موروثی خدمت انجام دینے پر مجبور کرنا گویا رعایا سے ناجائز فائدہ اٹھانے پر مجبور کرنا ہے۔ چونکہ ظاہر ہے کہ اس قلیل صلہ خدمت سے اپنی ضروریات کی تکمیل نہ پاکر اسے کوئی ناجائز ذریعہ آمدنی اپنی مرضی کے خلاف تلاش کرنا ہی پڑیگا۔ اسطرح نہ صرف اس اسکیم کا مقصد فوت ہوگا بلکہ سرکاری کام میں بھی بے ضابطگی پیدا ہوگی۔

نظریہ کی حد تک ہم اُن اصحاب سے متفق ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ وطنداروں کے خودکاری سے اصلاح ممکن ہے۔ چونکہ بحیثیت مالک وطن کے اسے موضع کے لوگوں سے اُنس ہوگا اور عوام سے اچھا سلوک کریگا مگر ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اگر حالت اور ماحول ایسا ہی رہے جیسا کہ اب ہے۔ یعنے متعلقہ سررشتوں کی اصلاح نہ ہوئی اور وہ دست غیب مٹایا نہیں گیا جو اس ظلم کا سبب ہے تو سمجھئے کہ اگر آسمان کے فرشتے اس خدمت کیلئے لائے جائیں تو بھی یہ جھگڑا ایسا ہی چلیگا جیسا کہ اب چلرہا ہے اور یہ کام ایسا ہی ہوتا رہیگا جیسا کہ اب ہورہا ہے۔

ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ دراصل خدمات گماشتے انجام دینا اصلدار بالکل ایک ہی بات ہے۔ چونکہ گماشتہ کی ہر حرکت کی ذمہ داری

قانوناً اصلداری پر ہوتی ہے۔ اسلئے گماشتے پر بعض اصلدار اچھی خاصی نگرانی بھی رکھتے ہیں۔ اور انہیں ہر قسم کی برائیوں سے روکتے ہیں جہانتک انس اور ہمدردی کا تعلق ہے انسانی ہمدردی کی ترغیب ان گماشتوں کو بھی دیجا سکتی ہے جو اپنے فرائض میں قدرے سخت تر ہیں مگر عام طور پر یہ گماشتے بھی موقع و محل کے لحاظ سے ہی کام کرتے ہیں۔
اس طرح عملاً یہ تجویز کبھی پنپتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ یہ اسکیم اصولی لوگوں کی اصول پرستی اور سطحی نظری کا نتیجہ ہے ورنہ عملی میدان میں ان کا یہ کمزور پا گھوڑا بھاگ نہ سکے گا۔ اسلئے یہ تجویز سراسر ناممکن العمل ہے۔

# مانو یا نہ مانو

ہم ذیل میں چند تجاویز پیش کرتے ہیں جنکو روبہ عمل لانے سے بڑی حد تک دیہی خرابیاں دور ہوسکتی ہیں۔ کام کے مقابلہ میں عہدہ داران دیہی کا معاوضہ نہایت ہی کم ہے۔ ممکن ہے کہ اُس زمانہ کے لحاظ سے جبکہ یہ معاوضے مقرر کئے گئے تھے کافی سمجھے گئے ہوں۔ لیکن اب یہ ناکافی ہیں۔ علاوہ ازیں پہلے یہ ہوتا تھا کہ آبپاشی۔ جنگلات آبکاری اور برگ آنبوس وغیرہ جیسے چھوٹے موٹے کاموں کے نیلاموں میں پٹیل پٹواریوں کو خاص ترجیح دیجاتی تھی اور یہ کام انہیں کو ملتے تھے۔ مگر انکے یہ ضمنی ذرائع اب ان سے بُری طرح چھنے جارہے ہیں۔ انکی آمدنیاں عمداً مسدود و محدود کیجارہی ہیں۔ اسلئے اسکی ضرورت ہے کہ انکی جنتری کی تکمیل پر نظر ثانی کیجائے۔ ذمہ داری حالات حاضرہ اور بازاری نرخوں کا یہ تقاضا ہے کہ انکے معاوضوں میں معتدبہ اضافہ ہو۔

(۱) عہدہ داران سرکاری کی توجہ اس طرف منعطف کرائی جائے

ان کے ذرائع آمدنی کو مٹانے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ اُن کی ہمت افزائی کریں تاکہ اُن کی آمدنی کے بڑھنے سے کارکردگی میں اضافہ ہو اور سرکاری کام بہتر طریقہ سے انجام پائیں۔ معاوضہ اور کام میں نہایت قریبی تعلق ہے۔ معاوضوں کے اضافہ کے ساتھ ساتھ کام کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے بمثل مشہور ہے کہ

مزدور خوش دل کند کار بیش

اس طرح کرنے سے ان میں نئی امنگ نیا جوش، نیا حوصلہ اور نئی کارکردگی پیدا ہوگی۔ وہ حکومت کے اچھے نمایندے اور مستعد کارندے ثابت ہوں گے۔

(۲) سررشتہ مال، پولیس، آبکاری اور جنگلات وغیرہ کی رشوت ستانی کا انسداد ضروری ہے۔ چونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو پٹیل پٹواریوں کو مجبور کرتے ہیں کہ رعایا سے رقم وصول کریں۔ اس کے لئے سب سے زیادہ آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر رشوت ستانی کی کسی شکایتی درخواست پر صرف دو معتمد دیہی کے دستخط ہوں تو رازمیں سرسری تحقیقات کیجاکر فوراً اراشتما طلازم یا عہدہ دار کا تدارک کیا جائے۔

ہر ضلع میں ایک محکمہ شکایت اور ایک انتظامی عدالت قائم کیجائے جس کا تعلق راست مجلس انتظامی یا باب حکومت سے ہو جس میں

سرکاری ملازمین کی بے راہ روی کے تدارک کی سکت ہو۔ چونکہ آجکل یہ دیکھا جا رہا ہے کہ تحصیلدار، ڈیویژنل افسر اور دیگر مقامی عہدہ داران من مانی اور غیر قانونی حرکات کرتے ہیں۔ مگر اُن سے نہ کوئی جواب طلب کرنے والا ہے اور نہ اُنکی غلطیوں اور طرفدارانہ حرکات کا مواخذہ کرنے والا۔ غریب پٹیل پٹواری اُن کی شکایت اس لئے نہیں کرتے کہ وہ اُنکے ماتحت ہی نہیں بلکہ پٹہ دار ہونے کی حیثیت سے انہی عہدہ داروں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ہمیشہ یہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں کسی نہ کسی چکر میں لاکر بلاوجہ نہ پھانسے جائیں یہ حقیقت ہے کہ

"زبردست وہ ہے جو مارے اور رونے نہ دے"

(۳) بیٹھ بیگار گو قانوناً ناجائز سہی مگر عملاً رائج ہے۔ سرکاری عہدہ دار برابر بیگار نکلواتے ہیں۔ کبھی کچھ دیتے بھی ہیں تو برائے نام ہوتا ہے اسلئے یہ مناسب ہے کہ ان دورہ کنندہ عہدہ داروں کے بھتوں کا ایک جز دفتر دیہی میں رکھا جائے جو بروقت عہدہ دار یا بجز خود ان بیگاریوں کو بقدر ضرورت دلوا کر رسید حاصل کر لیا کریں۔

(۴) پٹیل پٹواریوں کا شمار دیہی عہدہ داروں میں ہے اسلئے دیگر عہدہ داران سرکار کا فرض ہے کہ وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں

چونکہ وہ سب پبلک کے خادم ہیں۔ اسلئے انکے ساتھ جو بھی سلوک ہے نہایت ہی قابل اعتراض ہے۔ یہ ضروری ہے کہ انکے اعزاز کو محفوظ رکھا جائے۔ خط و کتابت و نیز مراسلوں وغیرہ میں جس طرح ایک عہدہ دار دوسرے ذمہ دار عہدہ دار کیلئے "بخدمت" لکھتا ہے انکے لئے بھی بخدمت وغیرہ استعمال کیا جائے تو کیا ہرج ہے؟

عہدہ داران بالادست کو چاہیئے کہ وطنداروں کے موروثی اعزاز کا لحاظ رکھیں۔ واضح رہے کہ حکومت نے ازراہ الطفات انہیں اچھے خاصے اعزاز سے سرفراز کیا ہے مثلاً عملہ خدمت کے حصول کیلئے انہیں کسی کی منظوری درکار نہیں۔

شروع میں اراضیات انعامی تھے جن سے وطندار بطور خود مستفید ہوتے تھے۔ بعد میں چلکر انعامات مسدود کر دئے جاکر اسکیل مقرر کئے گئے اور انہیں جمع شدہ محصول مالگزاری سے اپنا معاوضہ خدمت (اسکیل) وضع کرلینے کا اختیار دیا گیا۔ اس قسم کے اعزاز خود گزیٹیڈ عہدہ داروں کو تک حاصل نہیں۔ انکی معتبری کا اندازہ لگائیے کہ باوجود نقدی سے تعلق ہونے کے حکومت نے انہیں ضمانت سے بری کر دی ہے۔ ماسوا اسکے وہ اپنے خدمات پر رکر بھی دوسرا ضمنی پیشہ انجام دیسکتے ہیں۔ مگر یہ توفیق اور ملازمین سرکار کو میسر نہیں۔ جیسے

سرکار نے خود ان کو خاص اعزاز عطا کیا ہے تو کیا حکومت کے نمائندوں (عہدہ داران بالادست) کا یہ فرض نہیں کہ وہ اس کا خیال رکھیں۔ اگر ایسا نہیں کر رہے ہیں تو کیا وہ سرکار کے منشاء کی خلاف ورزی کے مجرم نہیں؟

(۵) سال میں تو کیا مہینے میں کئی بار پٹیل پٹواریوں کو متعلقہ دفاتر میں طلب کیا جاتا ہے۔ انہیں بھتہ یا سفر خرچ وغیرہ کچھ نہیں ملتا جمعبندی کے وقت تو پندرہ پندرہ بیس روز تک انہیں مستقر سے باہر ایک مقام سے دوسرے مقام کی خاک چھاننی پڑتی ہے۔ اسلئے اسکی سخت ضرورت ہے کہ ان کے بھتوں کا انتظام کیا جائے۔ مراسلوں کے ذریعہ استفسارات ہوں۔ تو وہ بار بار کی طلبیوں سے بچے رہیں گے اور سرکاری کام بھی بحسن وخوبی انجام پائیں گے۔

(۶) دیہی ڈاک کی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے ہر حلقہ کے لئے ایک سائیکل یا گھوڑے سوار کو بہ خرچ سرکار متعین کیا جائے نیز مقدمان دیہی کو سروس ٹکٹ لمقدار ضرورت مہیا کئے جائیں۔

(۷) مقدم پٹواری کیلئے دیہی تمام نمونہ جات کے مطبوعہ فارم اور رول کاغذ کی سپلائی ہونی چاہئے۔ چونکہ پٹیل پٹواریوں کا بہت زیادہ وقت نمونہ جات کی ترتیب اور رول کشی میں صرف ہوتا ہے

دوسرے سرکاری کام متاثر ہوتے ہیں۔ حتی الامکان نہ صرف غیر ضروری تختہ جات میں کمی کر دیجائے بلکہ اصل اور نقل کا بھی جھگڑا مٹا دیا جائے چونکہ ہم ایسا طریقہ کسی دفتر میں بھی نہیں دیکھتے ہیں جب ایک ایک کاپی ضرورت کو پورا کر سکتی ہے تو نقول کی کون حاجت ہے۔

( ۸ ) مقدمان دیہی کے لئے امتحان کی کامیابی کی شرط تو لازمی ہے اور اس پر سختی کے ساتھ عمل ہو رہا ہے۔ مگر ان کے ٹریننگ کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس پر غور کیا جائے تو مناسب ہے۔

ان کے علاوہ چھوٹی بڑی اور اصلاحات کی گنجائش ہے مگر یہ بنیادی خرابیاں تھیں جو بیان کی گئیں۔ اور اگر انہیں دور کیا جائے تو دیہات مستقبل قریب میں بہتر نظارہ پیش کر سکتے ہیں۔

# ضمیمہ

# چند اعتراضات اور انکا جواب

("دکھی وطندار اور چند غلط فہمیاں" کے زیر عنوان حسب ذیل حصہ پیام مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا تھا)

پیام کے وہ دونوں اڈیٹوریل ہماری نظر سے گذرے جنہیں "دکھی وطندار" پر تنقید کیگئی ہے۔ تنقید سے ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں بعض غلط فہمیاں ہوئی ہیں اسلئے انہیں صاف کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اداریہ کی ابتداء "دکھی وطندار" کے دیباچہ کے اقتباسات سے ہوئی مابعد معزز اڈیٹر صاحب رقمطراز ہیں کہ "پیام نے کبھی ایسے مسئلہ کو فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے نہیں دیکھا" اس خیال کو دوران تنقید کئی بار دہرایا گیا ہے۔ اس خصوص میں ہم موقر پیام کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمیں اسکے بارہ میں ہرگز ایسا خیال نہیں ہے۔ ہم تو ان لوگوں میں سے ہیں جو پیام کو نہ صرف فرقہ پرستی سے کوسوں دور سمجھتے ہیں بلکہ حیدرآباد کی موجودہ فضاء میں پیام کے وجود کو غنیمت بھی۔ جو کچھ بھی اس بارہ میں لکھا گیا ہے وہ ان لوگوں سے متعلق ہے جو اسکے محرک ہیں۔ غور کیجئے تو یہ مسئلہ ہمارا اختراع نہیں بلکہ اسکی گرماگرمی تو خود معاشی کمیٹی میں رہی۔ جبکہ یہ تحریک پیش کیگئی تھی۔

دوسرے یہ کہ ہم نے کتاب کے صفحہ (۲۰) میں ان تہمتوں کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے جو پٹیل پٹواریوں سے متعلق کیجاتی ہیں لکھا تھا کہ جہاں کہیں
بعض برائیاں ہیں اسکے یہ یہ اسباب ہیں۔ اسی سلسلہ میں بعض کا نام لیکر ہم نے
باتفصیل بیان کرنے کی کوشش کی تھی کہ ان برائیوں کا اصلی محرک
کون ہے۔ قابل ایڈیٹر صاحب نے لفظ جہاں کہیں کو نظر انداز کرکے بعد
کی عبارت کو بطور کلیہ پیش کیا ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ
ساری خرابیاں جو وطنداروں سے منسوب کیجاتی ہیں "دکنی وطندار" کے
مصنف کو تسلیم ہیں جہاں تک کتاب کا تعلق ہے ہم نے اس میں عہدہ داران
دیہی کے مشکلات، انکے نام نہاد عیوب، انکے علل و اسباب اور رفع عیوب کے
طریقوں سے بحث کی ہے۔ اب پڑھنے والوں کو اختیار ہے کہ جیسا چاہیں
پڑھیں سمجھیں۔ اور نتیجہ اخذ کریں۔ البتہ ہمیں یقین ہے کہ جو کوئی ایسے نظر
تعمق سے پڑھیگا وہ رائے قائم نہیں کرسکتا جو موقر پیام نے کی ہے ہم
پیام پر حرف گیری نہیں کرتے بلکہ اسے نکتہائے نظر کے تفاوت کا باعث
سمجھتے ہیں۔ پیام کی نگاہ نتائج پر پڑ رہی ہے اور ہماری نظر علل و اسباب پر
وہ وجہ مرض کو دور کئے بغیر محض مرض کو ہٹانا چاہتے ہیں اور ہمارا ایقان
ہے کہ اسباب مرض کا انسداد ہی مرض کا علاج ہے۔ ذیل میں ہم ان دیگر شکوک کو
دور کرنیکی کوشش کریں گے جنکی طرف اداریہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اور اس میں یہ کہا گیا ہے کہ عہدہ داران دیہی نظم حکومت کا بوسیدہ اور قدامت زدہ جز ہیں۔ انکا وجود ترقی اور اصلاح کا راستہ روکے ہوئے ہے۔"

توریث کے چند محاسن کا تذکرہ اجمالاً ہم نے صفحہ (۵۴) پر کیا ہے اسکے باوجود اس نظام کو محض اسلئے ٹھکرانا کہ "یہ قدامت زدہ ہے" مناسب نہیں۔ دنیا میں بے شمار ایسی قدیم چیزیں موجود ہیں جو ہزاروں سال سے ہیں اور ہزاروں سال رہنے کے قابل ہیں۔

اسکے بعد بیان کیا گیا ہے کہ انکا وجود ترقی کے راستہ کو روکے ہوئے ہے ہم اسے غیر صحیح سمجھتے ہیں مقدمین دیہی ترقی میں سد راہ نہیں ہیں۔ وہ خود اس راہ کا رخ کئے ہوئے ہیں وہ دیہات کی بھلائی چاہتے ہیں چونکہ وہ اسی مٹی سے ابھرے اور پھر اسی میں انہیں مل جانا ہے۔ انکی ساری کششیں اسی فضا میں رہیں اور رہیں گی۔ اسلئے دیہات کی ترقی انکی اپنی ترقی ہے۔ اور دیہات کا نقصان خود ان کا نقصان ہے۔ وہ اتنے نادان تو نہیں ہیں کہ اپنے گھر کو اپنے ہی ہاتھوں نذر آتش کریں۔ مرکزی انجمن ترک مسکرات کے پاس ایسی بہت سی رپورٹیں موجود ہیں کہ عہدہ داران دیہی کو محض اسلئے معطل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے دیہاتی بھائیوں کو نشہ کے نقصانات سمجھا کر انہیں قعر افلاس میں گرنے سے روکا۔ اسیطرح اکثر ان مقامات میں جہاں تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا وہاں ذاتی صرفہ سے مدارس کھولے تاکہ غریب دیہاتیوں کے دل و دماغ کے تاریک گوشے شمع علم سے منور ہو جائیں۔ نیز جہاں کہیں تنظیم دیہی کے چرچے سنائی دیتے ہیں جائیے اور دیکھئے کہ وہاں کون پیش پیش ہے۔ تنظیم کی ساری ذمہ داریاں انہیں کے

سر ہوتی ہیں۔ اصلاح زراعت کے سلسلہ میں بھی انکا بڑا حصہ ہے۔ اصلاح شدہ بیج اور
آلات کشاورزی استعمال کرکے باغات وغیرہ لگا کر انہوں نے دیہاتیوں کو عملی تعلیم و ترغیب دی تھی
اور دے رہے ہیں۔ اس باب میں انکی ہمت افزائی کیجائے۔ اور مواقع دئے جائیں تو ان اصلاحی
کاموں میں وہ بے حد کار آمد ثابت ہوں گے۔

وراثت کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ "یہ حق ہندوؤں کو حاصل ہو یا مسلمانوں کو
قابل اعتراض ہے۔" البتہ بعض دیگر توریثی اقتدارات کے سلسلہ میں دو ایک عذر پیش کئے گئے
ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سرکاری ملازم نہیں ہیں۔ دیگر یہ کہ ان کا تعلق دیہی زندگی سے راست اور قریبی
نہیں ہے۔" عذر اول کے بارے میں ہمارا یہ جواب ہے کہ پٹیل پٹواری بھی صحیح معنوں میں ملازم
سرکار نہیں ہیں۔ یہ تو کل کی بات ہے کہ خاص خاص حالات کے تحت انہیں حکومت نے ملازم
سرکار کے دائرہ میں داخل کرلیا ہے۔ ورنہ عام ملازمین سرکار اور عہدہ داران دیہی میں عرش اور
فرش کا فرق ہے۔ اس فرق کا تذکرہ دیہی وطنداری کے ص (۱۰۶) میں درج ہے۔ یہ تو حکومت پر منحصر
ہے کہ جسطرح اسکی ایک جنبش قلم نے انہیں سرکاری ملازمین میں شامل کرلیا ہے اسیطرح دوسری جنبش
ان دیگر توریثی اقتداروں کو بھی اسی تعریف میں شامل کر سکتی ہے۔ بغرض اس فرق کو ہم فرق ہی
نہیں سمجھتے۔ عذر دوم کے متعلق صرف اتنا کہنا ہے کہ یہاں راست یا بلا راست قریب اور بعید کا سوال
ہی کیا جب وراثت بری چیز ہے اسے مٹا کر ہی رہنا چاہئے خواہ وہ کہیں کیوں نہ ہو دور ہو یا قریب
نتیجہ ایک ہی ہے۔ جہانتک توریث کا تعلق ہے ہم خود اسکے مخالف ہیں چنانچہ رعیت مورخہ ۱۴ امر
دادی بہشت ۱۳۵۹ف میں دیہی نظام میں اصلاح یا انقلاب کے زیر عنوان ہم نے یہ چیز صریحی طور پر
واضح کردی ہے کہ وراثت کے مٹنے میں ہی ملک کی بھلائی مضمر ہے تو پٹیل پٹواری کی حیثیت بھی خواہ

ملک و ملت پر اپنا ایثار کرنے کیلئے ہمیشہ مستعد ہیں بشرطیکہ توریث کا کوئی شائبہ ملک میں باقی نہ رہے ہمیں امید ہے کہ ان دیگر توریثی استدلالوں کی تنسیخی مسئلہ پر پیام کے صفحوں میں روشنی پڑتی رہے گی۔

دوران تنقید کہا گیا ہے کہ "رعایا کی زندگی کے تمام نقشے مٹ چکے ہیں۔ نئی تعمیر میں قدامت کی دیواروں اور محرابوں کو قائم رکھنے پر اصرار سوائے اسکے کوئی معنی نہیں رکھتا کہ عمارت ہمیشہ کمزور رہے۔" یہاں نقشوں اور انکے مٹنے سے کیا مراد ہے۔ واضح نہ ہو سکا کہ اگر یہ اشارہ ہمارے دیہاتیوں کی پست معیار زندگی جہالت اور قبیح رسم و رواج کی طرف ہے تو ہمیں ادباً کہنے دیجئے کہ یہ نقشے مٹے نہیں بلکہ بدستور بحال قائم ہیں اگر ان نقشوں کو مٹنا ہی ہو اور دکھی کسان اور دکھی مزدور کی بپتا دور کرنا ہی ہو تو وطنداری کے نکال پھینکنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اس نئے نظام کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کیلئے جن اجزا کی ضرورت ہے وہ عام تعلیم اور تخفیف لگزاری ترک مسکرات انسداد ازدواج کمسنی انسداد رشوت صحت عامہ۔ اصلاح زراعت۔ دستکاریوں کی ہمت افزائی وغیرہ ہیں اور انہیں سے اس نظام کے اساس اور در و دیوار مستحکم ہو سکتے ہیں صحیح معنوں میں ترقی اور اصلاح اسی کا نام ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ مندرجہ بالا اصلاحات کی ترویج میں موجودہ وطندار کیونکر مزاحم ہے اور آنیوالے عہدداران بھی دہ کیا اوصاف لیکر آئینگے کہ ملک کے بہتر خادم ثابت ہو سکیں۔ یہ مسئلہ بھی پیام کی توجہ کا محتاج تھا۔

محض باپ دادا کی جانثاری اولاد کیلئے سند نہیں ہو سکتی۔ تاوقتیکہ اولاد شخصی معیار پر پوری اترے یہ سنہرا اصول اس قابل ہے کہ اس کا انطباق وطنداروں پر ہی نہیں بلکہ ملک کے ان لوگوں پر بھی کیا جائے جو سالانہ لاکھوں روپیہ آباو اجداد کے نام پر وصول کرتے اور انتہائی بے دردی کے ساتھ عیش بازی کی نذر کر دیتے ہیں۔ یہ نکتہ بھی معاصر پیام کی توجہ کا محتاج تھا۔

جہانتک شخصی اہلیت کا تعلق ہے دیہی عہدہ دار اپنے کام کی حد تک بہت سے لوگوں سے کہیں زیادہ اہلیت اور کارکردگی کے مالک ہیں۔ اگر ماحول درست کیا جائے تو یہ خاموش کارکن ملک کا

بے مثال خادم ثابت ہوگا۔

پیام نے غالباً اس رعایت سے کہ مصنف ایک طالبعلم ہے ایک امتحانی سوال مرتب کیا ہے۔
وطندار دوسروں کے آلہ کار ہیں لیکن کیا رشوت ستانی کے جرم میں ماخوذ ہونیکے بعد عدالت
اس بناء پر بری کر سکتی ہے کہ اس نے دوسروں کیلئے رشوت لی ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ ارتکاب جرم خواہ کسی کا
کیلئے کیوں نہ ہو جرم ہے مورد مجرم سزاوار سزا ہے لیکن عدالت بوقت فیصلہ نیت اور ماحول کو نظر انداز
نہیں کرتی۔ سچ پوچھئے تو سنگین ترین جرم بھی داب ناجائز کے تحت کروائے جاسکتے ہیں۔

اس داب ناجائز کے تحت ماخوذ شدہ شخص غالباً معاف کیا جاسکتا ہے غرض وطندار بھی
بقاء وطنداری کیلئے اور دوسروں کے بیجا اغراض کی تکمیل کا مجرم ہے تو وہ اس سے بری ہونے کا بھی حقدار ہے۔

ادارہ کے آخر میں تعجب کا اظہار کیا گیا ہے کہ اس کتاب میں کہیں بھی یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی گئی کہ
موجودہ حالات میں وطنداری کتنی مفید ہے اور اسکے بغیر ملک کی اجتماعی زندگی کو کیا نقصان پہونچیگا۔ کتاب کی جان چھوٹی سی ہے
اس میں وطنداری جیسے بسیط مسئلہ کے ہر پہلو پر بحث کرنے کی توقع نامناسب ہے تاہم ہم نے کتاب کے صفحات (۳۵ تا ۴۰) میں
ان نقصانات کا ذکر کیا ہے جو وطنداری کے مٹنے سے ملک کو برداشت کرنے پڑیں گے۔ اور وطنداری کے محاسن کو
بھی اجمالاً صفحہ (۴۵) پر بیان کردیا گیا ہے۔ غالباً سہو نظری سے ایڈیٹر صاحب کی نگاہ اُن پر نہ پڑی ہو۔

معزز ایڈیٹر صاحب کا یہ خیال حقائق پر مبنی ہے کہ دونوں ہی قابل اصلاح ہیں اور ایک کی خرابی کو
دور کئے بغیر دوسرے کی خرابی رفع نہیں کیجاسکتی۔ ایسی صورت میں محض وطنداری کو ختم کرنا فضول ہے چونکہ جبتک
کوئیں کا پانی کھارہ رہیگا خواہ لوہے کے ڈول کی جگہ سونے کا ڈول ہی کیوں نہ ڈالیں پانی کھارہ ہی نکلیگا۔
سمجھدار لوگوں کا فرض یہی ہے کہ ڈول کے خراب پانی پر کڑھنے کے بجائے کوئیں کے پانی کو خالص بنانے کی کوشش کریں۔ فقط

مورخہ ۱۱ فروردی ۱۳۵۸ ف　　　　(وی۔ کے۔ ریڈی)